اسلامی
نظریۂ عدالت
نہج البلاغۃ کی روشنی میں

مولانا ڈاکٹر سید محمد سیادت نقوی
امام الجمعة امروہا

اسلامی نظریۂ عدالت

(نہج البلاغہ کی روشنی میں)

از

ڈاکٹر محمد سیادت نقوی

امام الجمعہ امروہا

نام کتاب : ''اسلامی نظریہ عدالت نہج البلاغہ کی روشنی میں''

مصنف : ڈاکٹر محمد سیادت نقوی، امام الجمعہ امروہا

اشاعت : جون ۲۰۰۴ء

قیمت : Rs. 175/-

تعداد : پانچ سو (۵۰۰)

ناشر : مولانا محمد عبادت ایجوکیشنل سوسائٹی رجسٹرڈ، امروہا

فون نمبر: 05922-250819

کمپوزنگ : سید ندیم اصغر زیدی، محلّہ صدو، امروہا

فون نمبر: 05922-264266

E-mail:nadeem asghar@rediffmail.com

مطبع :

ملنے کا پتہ

مولانا محمد عبادت ایجوکیشنل سوسائٹی، رجسٹرڈ، امروہا

انتساب

دنیا کے تمام عدالت پسند انسانوں کے

نام

بسمہٖ تعالیٰ

ابتدائیہ

دنیا کا کوئی سماج اور مذہب ایسا نہیں ہے جو حیات انسانی میں ''عدالت'' کے وجود اور اسکی اہمیت و عظمت کا معترف نہو لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس اعتراف کے باوجود اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے عدالت کو عملی طور پر اپنانے کا حکم دیا ہو۔

حقیقتاً دنیائے انسانیت نے عام طور پر عدالت کے حقائق اور اسکی اقدار پر کبھی اس عمیق نظری سے غور ہی نہیں کیا جس عمیق نظری کی عدالت متقاضی رہی ہے۔

البتہ اسلام دنیا کا صرف ایک ایسا منفرد مذہب و آئین ہے جس نے ہر کشاکش حیات کا حل ہی عدالت کے ذریعے تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی لئے اسلام میں عدالت کی اہمیت و ضرورت کے صرف اعتراف ہی کو کافی قرار نہیں دیا گیا بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں عملاً اسکے اپنانے کی تاکید کی گئی ہے۔

دنیا کے تقریباً تمام ہی مذاہب میں چونکہ عدالت کو عموماً معمولی اور سرسری حیثیت دیجاتی رہی ہے لہٰذا دنیائے انسانیت عدالت کی افادیت سے عموماً بے بہرہ اور اسکے مابعد تاثر سے محض ناآشنا رہی ہے۔ حقیقتاً صرف اسلام ہی وہ آئین حیات ہے جو عام اذہان میں عدالت کی سماجی اہمیت و ضرورت کا احساس بیدار کر کے انسان کو خود بخود اپنی عملی دنیا میں عدالت کا عادی بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ اسلامی دستور حیات یعنی قرآن مجید میں جا بجا زندگی کے اس اہم موضوع پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے اور پیغمبر اسلام جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے اقوال و افعال کے ذریعے قرآنی اجمال کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے عدالت ہی کو شعار انسانیت قرار دیا ہے اور زندگی بھر اس نقطۂ اعتدال کو محور حیات بنانے کی تاکید فرمائی ہے جسے عدالت کی اساس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رسول اسلام کے بعد مولائے کائنات حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے رسولؐ اسلام ہی کی پیروی میں قرآنی آیات اور اقوال رسولؐ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے

اپنے مختلف خطبات ومکتوبات میں اسلامی نظریۂ حیات کی کہیں بالواسطہ اور کہیں بلاواسطہ ایسے موثر اور جامع پیرائیہ بیان میں ترجمانی کی ہے جسکے بعد عدالت کے وہ حقائق سربستہ اور رموز واسرار منکشف ہوئے ہیں جنکا وجود تاریخ انسانیت میں مولائے کائنات سے پیشتر کہیں نظر نہیں آتا ہے۔

قرآن کے بعد مولائے کائنات کے خطبات ومکتوبات کا مجموعہ نہج البلاغہ انسانی صفات وکمالات کا ایک ایسا بحر ذخار ہے جس سے ہر عہد کا ترقی پذیر ذہن نادر و نایاب موتی تلاش کر کے اقدار حیات کو روشن وتابناک بناتا رہیگا۔ یہی فطری محرکات کا ایک ایسا لازوال سرمایہ ہے جس سے دنیا کا ہر دانشور زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے میں پوری طرح رہنمائی حاصل کرتا رہیگا، یہی دنیائے علم وادب کی ایک ایسی مقبول ترین تصنیف ہے جسکا ترجمہ دنیا کی ہر زبان میں پایا جاتا ہے۔ عربی وفارسی کے اہل قلم حضرات تو عرصہ دراز سے اس عظیم تصنیف سے مسلسل اکتساب فیض کر رہے ہیں چنانچہ اسکے تمام اہم موضوعات پر علیحدہ علیحدہ تفصیلی طور پر تصانیف بھی بکثرت منظر عام پر آچکی ہیں جن میں موضوع ''عدالت'' بطور خاص قابلِ ذکر ہے لیکن اردو زبان اس سلسلے میں کم مائیگی کا شکار رہی ہے۔ یعنی ترجمے وغیرہ کی حدتک تو یقیناً اردو میں نہج البلاغہ کا وجود ملتا ہے لیکن اس قابل قدر تصنیف کے مختلف موضوعات کی طرف ابھی وہ رجحان نہیں پایا جاتا جو موجودہ ترقی پذیر دور کے مطابق ہونا چاہیے تھا خصوصاً موضوع عدالت کے سلسلے میں مولائے کائنات نے جو اہتمام فرمایا ہے اسپر توجہ تام ہی انسانیت کے ارتقا کی ضامن ہے۔ چنانچہ اس اہم موضوع پر تاہنوز کوئی قابلِ ذکر ایسی تصنیف سامنے نہیں آئی ہے جسمیں عدالت اور اجزائے عدالت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہو۔ اس عظیم کوتاہی کا احساس دنیائے علم ادب میں کافی عرصے سے کیا جاتا رہا ہے اور یہی احساس اس مقالے کا محرک بھی ہوا ہے۔

نہج البلاغہ کے خطبات ومکتوبات میں اسلامی نظریۂ عدالت کی جسطرح نشاندہی کیگئی ہے اسی کی روشنی میں اس مقالے کا آغاز فطرت انسانی اور صفت عدالت

کے باہمی ارتباط سے کیا گیا ہے. جس میں سب سے پہلے عدالت کے لغوی و اصطلاحی معنی کی روشنی میں صفت عدالت کی مختلف لفظی و معنوی تشریحات کیگئی ہیں اسکے علاوہ عدالت اور حیات انسانی کے باہمی رشتہ و وابستگی کے سلسلے میں حکماؤ فلاسفہ کے نظریات سے بحث کرتے ہوئے زندگی اور عدالت کے موضوع پر قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے اور اقوال معصومین کی روشنی میں عدالت کی حقیقی مقصدیت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آگے بڑھکر مولائے کائنات کے ان اہم فیصلوں کی روشنی میں جو دنیائے عدالت کے لئے ہر عہد میں سبب افتخار سمجھے جاتے رہینگے منصب عدالت و قضاوت کی اہمیت و نزاکت کے پیش نظر آپکو دنیا کا عظیم انسان ثابت کیا گیا ہے۔ اسی سلسلۂ بیان میں علمائے اسلام کے علاوہ ان مستشرقین علماؤ مفکرین کے نظریات سے استفادہ کیا گیا ہے. جنھوں نے مولائے کائنات کے علم و دانش اور عظمت کردار سے متاثر ہوکر اپنی تصانیف میں آپکو دنیا کی ایک عظیم شخصیت کے عنوان سے یاد کیا ہے۔

آخر کلام میں سب سے پہلے میں اپنے کرم فرما، مشفق و بزرگ حجۃ الاسلام مولانا سید محمد شاکر صاحب قبلہ و مولانا سید محمود الحسن صاحب قیصر کا بے حد متشکر و ممنون ہوں جنکی تحریری ہمت افزائی ہمیشہ میرے لئے باعثِ فخر رہیگی۔ انکے علاوہ اس مقالے کی اشاعت کے سلسلے میں برخوردار ڈاکٹر سید حسنین اختر سلمہ کا سپاس گزار ہوں کہ جنھوں نے اسکی اشاعتی ذمہ داریاں باحسن وجوہ انجام دیں۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں یہاں عزیزی سلیم اکبر سلمہ کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی مسلسل کوششوں کے بعد یہ مقالہ منظر عام پر آسکا ہے۔

اپنی گفتگو کو ختم کرتے ہوئے مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ موضوع کا حق ادا کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں قارئین ہی کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوتا ہے لہٰذا میں اس حقیر کوشش کو پورے اعتماد اور عادلانہ توقعات کے ساتھ قارئین کے حوالے کر رہا ہوں۔

”گر قبول افتدز ہے عزّ و شرف“

سید محمد سیادت نقوی، امام الجمعہ امروہا

﴿تقریظ﴾

حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد شاکر صاحب قبلہ، استاذ جامعہ ناظمیہ، لکھنؤ

اس حقیقت میں مبالغہ آمیزی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ قرآنِ مجید اگر بصورتِ اعجاز خدائے وحدہٗ لاشریک کا کلام لاشریک ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واسطے واقعی دلیل رسالت ہے تو نہج البلاغہ ہم صورت اعجاز بے مثل و بے مثال ایسا کلام لاجواب ہے جو مولائے کائنات کی قطعی دلیل امامت ہے باوجودیکہ ایک کا تعلق خالق سے ہے اور دوسرے کا تعلق مخلوق سے پھر بھی کچھ نہ کچھ آثار مشابہت ضرور نظر آتے ہیں مثلاً خود قرآن کا ارشاد ہے کہ ''لو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا'' حقانیت کے اس قرآنی معیار پر نہج البلاغہ معجزانہ انداز پر پوری اترتی ہے، حالانکہ بعد وفات حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جیسے بھیانک ماحول، دردناک مصائب اور دلخراش مسائل کا سامنا تھا اس کی قہری تقاضہ تو یہ تھا کہ نفاذ احکام شرعیہ کے موقعوں پر معاندین کی سازشانہ سرتابی سے متاثر ہو کر جوش میں بھری ہوئی ساری تقریریں اور تمام خطبے تضاد ہی تضاد ہوتے، خصوصاً عدل وانصاف سے متعلق تمام فیصلے سب کے سب درہم و برہم نظر آنا چاہئے تھے مگران سب قیامت خیز الجھنوں کے باوجود مولائے کائنات کا ہر فعل اور ہر عمل حکمتوں، شرعی مصلحتوں اور پُر اسرار علل واسباب پر مشتمل نظر آرہا ہے، اسے امامت کا معجزہ نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جاسکتا ہے، کسی عارف نے دریائے معرفت

میں ڈوب کر برگ درختان سبز کو ہوشیار کے لئے معرفت کا دفتر کہا تھا کاش وہ اسی عالم وجد میں نہج البلاغہ کے سبزہ زار پر نظر ڈالتے تو صرف خطب وکتب ہی نہیں بلکہ کلمات قصار، بلکہ ہر جملہ، بلکہ ہر لفظ، بلکہ ہر نقطے کو بائے بسم اللہ کی طرح سے دنیائے رموز وحکم سے مملو پاتے۔

ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ اب نہج البلاغہ پر مجموعی کام کے ساتھ علیحدہ علیحدہ اہم موضوعاتی کام بھی شروع ہو چکا ہے یعنی جزئیات تفصیل کے ہر پہلو سے روشناس ہوتے جا رہے ہیں۔

قابل مبارکباد ہے ہماری قوم کہ مولائے کائنات کے عدل وانصاف کا مفصل جائزہ نہج البلاغہ کی روشنی میں جو ابھی تک تشنۂ تفصیل تھا حجۃ الاسلام مولانا ڈاکٹر سید محمد سیادت صاحب قبلہ، امام جمعہ والجماعت امروہا کی دقّت نظر، جزرسی اور باریک بینی کے طفیل منظر عام پر آرہا ہے جو مجھ ایسے دقیانوسی فکر والوں کے لئے یقیناً نعمت غیر مترقّبہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔)

میری دعا ہے کہ آئندہ بھی موصوف اسی طرح کے دقیق واہم اور ضروری ومفید موضوعات کو باطن کے خزانوں سے نکال کر طالبان حق کو اپنی ذہنی کاوشوں سے سرفراز فرماتے رہیں گے۔

فقط

سید محمد شاکر، ۲۰ر جون ۲۰۰۴ء

تقریظ

مولانا سید محمود الحسن صاحب، قیصرؔ امروہوی

عزیز القدر ڈاکٹر مولانا محمد سیادت صاحب نقوی کی تازہ تصنیف ''اسلامی نظریۂ عدالت نہج البلاغہ کی روشنی میں'' نظر سے گذری افسوس ہے کہ میں اپنی ضعف بصارت کے سبب اس اہم تصنیف کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے قاصر رہا لیکن موضوع کی اہمیت اور مصنف کے استدلالی انداز بیان نے میرے اندر مطالعے کی تشویق پیدا کردی اور مجھے جستہ جستہ مطالعہ پر مجبور کردیا۔ جہاں جہاں سے بھی پڑھا موضوع پر استدلالی بحث اور تسلسل بیان کے سبب کتاب کی اہمیت سامنے آئی۔

مصنف نے اپنی اس کتاب کو انتہائی منظّم انداز میں مرتّب کیا ہے، اس کے ابتدائی صفحات میں عدالت کے لغوی و اصطلاحی معانی و مفاہیم پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے نیز حکماء و فلاسفہ کے اقوال و نظریات سے استدلال کرتے ہوئے انسانی سماج میں عدالت کی اہمیت و ضرورت پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، اس سلسلے میں مصنف نے امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے کسی ایک خطبے کی عبارت بھی نقل کی ہے جس میں مولائے کائنات نے عدل و سخاوت کا فرق بیان فرمایا ہے اور آخر میں عدل کو ترجیح دی گئی ہے جو بڑی دل چسپ ہے آگے چل کر کہتے ہیں کہ '' دنیا میں جب تک انسان نیم مہذّب زندگی گزار رہا

تھا اس وقت تک یقیناً انسانی سماج میں عدالت کی سماجی اہمیت وافادیت کا احساس اس انداز سے بیدار نہ ہو پایا تھا جسے انسانی معاشرے اور سماج کے شایان شان سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سماج میں ہمہ وقتی، ظلم واستبداد اور بربریت اور مسلسل قتل وغارتگری اور خونریزی کو بھی جو بلا امتیاز اس زمانے کے معمولات میں شامل تھی اسے بھی عموماً لوگ پسند نہیں کرسکتے تھے اس لئے کہ ایک غیر مہذّب اور غیر متمدن انسان بھی فطرتاً زندگی گزارنے کے لئے پرسکون ماحول کا متلاشی رہتا ہے''

یہ پورا پیراگراف زبردست معنی خیز ہے مصنف نے اس پیراگراف میں پوری حیات انسانی کو اس طرح سمودیا ہے کہ جسے مکمل آئینۂ حیات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

آگے بڑھ کر مصنف نے امیر المومنین علیہ السلام کے کچھ ایسے فیصلے بھی نقل کیے ہیں جو بڑے حیرت انگیز ہیں اور دنیائے عدالت کے لئے ہمیشہ باعث فخر اور بہترین رہنما ثابت ہوتے رہیں گے۔

مولائے کائنات نے خلافت راشدہ کے دور میں جو اہم اور محیر العقول فیصلے فرمائے ہیں اور جس طرح دور خلافت میں عدالتی نزاکتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حق داروں کو ان کا حق دلا کر شعبۂ عدالت کا بھرم برقرار رکھا ہے یہ تمام فیصلے تاریخ عدالت میں ہمیشہ عدل وانصاف اور شعبۂ عدالت کے بھرم کے ضامن رہیں گے۔

اسی ذیل میں آپ نے اپنے دور خلافت میں اپنی طرف سے مقررہ گورنروں، عمال حکومت اور حکام کو مختلف مکتوبات اور خطبات کے ذریعے حاکم ومحکوم کی زندگی اور ان کے درمیان روابط وتعلقات کے سلسلے میں اس طرح سیر حاصل بحث کی ہے جس سے حکام کے فرائض منصبی واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں تا کہ تمام مقررہ گورنر اور حکام اپنے منصب کی نزاکت کا پوری طرح احساس کرتے ہوئے عوام کے سلسلے میں اپنے فرائض کو کبھی فراموش نہ کرسکیں اور رعایا پروری، عدل وانصاف اور ظلم وزیادتی سے پرہیز کرنے کو اپنا شعار قرار دیں۔

مصنف نے یہ پوری بحث ایسے موثر پیرائیہ بیان میں کی ہے جس کے ذریعے عدالت اور حیات انسانی کے وہ تمام حقائق پوری طرح سامنے آجاتے ہیں جو انسانیت اور انسانی سماج کی فلاح و بہبود کے لئے انتہائی ضروری ہوسکتے ہیں اور جن پر حیات انسانی کا ارتقاء وعروج پر منحصر ہے۔

آخر میں مصنف نے مولائے کائنات کے سلسلے میں کچھ عیسائی علماء و مؤرخین کے نظریات و خیالات قلمبند کیے ہیں جو یقیناً علمی و ادبی دنیا میں مولائے کائنات کی علمی وادبی برتری کے سلسلے میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ تمام نظریات مولائے کائنات کی عالمگیر عدالت پناہی کے ثبوت کے لئے بھی پوری طرح کافی سمجھے جاسکتے ہیں۔

بہر حال مجموعی حیثیت سے یہ کتاب اپنی افادیت کے پیش نظر ایک منفرد

تالیف کی حیثیت رکھتی ہے اور اپنے موضوع پر پوری طرح حاوی ہے۔

مجھے اپنی بات ختم کرتے ہوئے اس حقیقت کی وضاحت میں انتہائی مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ اس مسودے کے لب ولہجہ کی شستگی وروانی، عبارت آرائی اور عمق وگہرائی کو دیکھ کر حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا محمد عبادت صاحب قبلہ طاب ثراہ کی عمیق نظری ووسعت مطالعہ کی یاد تازہ ہوگئی، واقعاً مولانا محمد سیادت صاحب ''الولد سرّ لابیہ'' کے صحیح مصداق ہیں خداوند عالم آپ کی توفیقات میں روز افزوں اضافہ فرمائے۔

''اللہ کرے زور قلم اور زیادہ''

فقط

سید محمود الحسن قیصر امروہوی

۱۱ر جون ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائے آفرینش ہی سے دنیا کے کسی معاشرے میں عدالت کے مفہوم ومعانی اوراس کی اس وسعت وہمہ گیری پر کبھی ایسی عمیق نظری سے غور نہیں کیا گیا اور نہ کبھی عام سماجی زندگی میں اس کی اہمیت وحیثیت کواس جامعیت کے پیش نظر سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے جو پورے انسانی معاشرے کے لئے حقیقی افادیت کی ضامن ہے اور جس میں مساوی طور پر پوری سماجی زندگی اور عالمی معاشرے کا ارتقاء مضمر ہے۔

اس میں شک نہیں کہ سماجی بدحالی کے سبب حیات انسانی کا کوئی دور ایسا نہیں جس میں عدالت کی اہمیت وضرورت کا احساس نہ کیا گیا ہو لیکن اس کے باوجود ہر زمانے میں عدالت کو انتہائی سطحی اور سرسری نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے جس کے سبب ہر عہد میں انسانی سماج عدالت کے صحیح مفہوم اور معانی اور اس کی حقیقی مقصدیت سے قطعاً بیگانہ رہا ہے اسی لئے ہر زمانے میں عام زندگی گوناگوں مسائل اور مختلف قسم کے نئے سے نئے حادثات سے دوچار رہی ہے۔

حقیقتاً انسان فطرتاً متکبر ومغرور واقع ہوا ہے جیسا کہ اس کے لئے اس کائنات کی بے شمار مخلوقات کے اژدہام میں اپنی فضیلت قائم کرنے اور اپنا تسلط و اقتدار برقرار رکھنے کے لئے نفسیاتی طور پر ضروری اور لازمی بھی تھا تا کہ وہ ان تمام مخلوقات پر اپنی برتری وعظمت کے ذریعہ پوری طرح تسلط حاصل کر کے ان پر حکمرانی کر سکے، انسان کا یہ جذبۂ تکبر وغرور دنیا کی دیگر تمام مخلوقات کے مقابلہ

میں تو یقیناً عدالت پر مبنی ہوتے ہوئے بجا و صحیح ہے، اس لئے کہ خلاق عالم نے اپنی تمام مخلوقات میں صرف انسان کو اشرفیت و افضلیت سے نواز کر دیگر تمام مخلوقات کو اس کا ماتحت اور تابع و محکوم قرار دیا ہے لیکن اس کا اپنے ہم جنسوں کے درمیان اسی تکبر و غرور سے کام لینا کسی طرح مناسب نہیں ہوسکتا ہے یہ تکبر و غرور خلاف عدالت ہوتے ہوئے انسانیت کی تباہی و بربادی کا باعث ہے اس لئے کہ تمام نوع انسانی ایک ہی فطرت پر خلق ہوئی ہے اور ہر ایک انسان کی جبلت میں تکبر و غرور کی شمولیت یکساں اور مساوی طور پر پائی جاتی ہے۔ البتہ انسانی سماج میں انسانیت کی اقدار کو اپنے اس امتیازی معیار پر برقرار رکھنے کے لئے جسے حقیقی انسانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس جذبۂ کبر و نخوت کی یقیناً ضرورت ہے جسے عموماً فلسفیانہ اور ادبی دنیا میں ''انا'' اور اخلاقیات کی عام اصطلاح کے مطابق ''خودی اور خودداری'' کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے، جو اپنی حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو کر اس نقطۂ اعتدال پر قائم رہتا ہے جسے انسانی اقدار کے تحفظ و بقا کا ضامن سمجھا گیا ہے اور اس نقطۂ اعتدال کی صحیح شناخت ''عدالت'' کے حقیقی عرفان کے بغیر ناممکن ہے۔ جس سے دنیائے انسانیت نے کبھی ہم آہنگی و ارتباط پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، حقیقتاً اس جذبۂ کبر و غرور کے حد سے تجاوز کر جانے ہی کے سبب ہر زمانے میں سماجی زندگی نیچ اونچ اور پست و بلند کے گھنونے نظریہ سے دوچار رہی ہے اور ہر شخص ایک دوسرے کو کم تر سمجھتے ہوئے پورے سماج پر اپنی برتری و اقتدار قائم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

چنانچہ ابتدا ہی سے انسان اپنے تکبر وغرور کی پرورش ہی کے لئے زرطلبی وجاہ پرستی کی زلفوں کا اسیر رہتے ہوئے خود کو غیر ارادی طور پر ظلم کا مرتکب بناتا رہا ہے لہٰذا کہیں دولت کی بہتات ذہنِ انسانی میں احساس برتری پیدا کر کے سماج میں پستی و بلندی کے گھنونے ماحول کا موجب بنی ہے تو کہیں دولت کے فقدان نے انسان میں انتہائی عاجزی وانکساری کے ذریعے بے بسی پیدا کر کے سماج میں احساس کمتری کو پروان چڑھا کر پسماندگی کا خوگر بنا دیا، کہیں نسلی اور علاقائی تفریق نے انسانی سماج میں نفرت وغیریت کی تخم ریزی کر کے سماجی اتحاد کو پارہ پارہ کیا تو کہیں مسلکی ونظریاتی اختلافات نے انسانیت کو حیوانیت میں اس طرح بدل دیا کہ انسان درندوں سے بھی بدتر صورت اختیار کر گیا اور انسانی پستی نے پورے سماج کو فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا کر انسانیت کو ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کی، جبکہ انسان کی اس صفت عدالت کے پیش نظر جس کے ذریعہ اسے اشرفیت وافضلیت سے نوازا گیا ہے، فطرتاً ہر انسان کو باعزت زندہ رہنے اور مساوی طور پر باوقار زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے، اس لئے کہ از روئے عدالت تمام انسان بلحاظ انسانیت برابر ہیں اور سماج میں برابری ومساوات کا تصور صرف اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے کہ جب ہر انسان اپنی سماجی زندگی میں عدالت کی اہمیت اور اس کے صحیح مفہوم ومقصدیت سے آشنا ہوتے ہوئے زندگی گزارنا اپنا مقصد حیات قرار دے اور عدالت ہی کو اساس حیات سمجھے، دنیا میں انسان جب تک عدالت کو اپنی زندگی کی اساس قرار دیتے ہوئے کائنات کی

ہر شے کو میزان عدالت پر پرکھنے کی کوشش نہیں کرے گا اس وقت تک انسانی سماج نہ ہمہ وقتی فتنہ وفساد سے خلاصی حاصل کر سکتا ہے اور نہ ان ارتقائی منزلوں کو طے کر سکتا ہے جن کے ذریعہ انسانیت اس نقطۂ کمال تک پہنچ سکتی ہے جسے خالق کائنات نے اس کے لئے مخصوص فرمایا ہے لہٰذا انسان کو حقیقی انسان بننے اور انسانی سماج کو غرور وتکبر کی تمام غلاظتوں اور آلودگیوں سے پاک کر کے اس ارفع واعلیٰ مقام پر پہنچانے کے لئے جسے انسانیت کی شایان شان اور دنیائے انسانیت کے لئے مامن سمجھا جا سکتا ہے التزاماً دنیائے انسانیت کی ہر فرد کے لئے عدالت کے صحیح مفہوم ومعانی سمجھتے ہوئے اس کی وسعتوں کا عمیق نظری سے مطالعہ کرنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ ہر شخص خود بھی میزان عدالت کے مطابق زندگی گزارنے کا عادی بنے اور دوسروں کو بھی اس طرف متوجہ کرنا اپنا اولین فریضہ قرار دے۔

چنانچہ یہاں موضوع کی اہمیت کے پیش نظر سب سے پہلے لفظ ''عدل'' پر قرآن واحادیث اور اقوال حکما کی روشنی میں قدرے تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے تا کہ عام اذہان کے لئے اس نقطۂ عدالت تک رسائی سہل وآسان ہو سکے اور عدالت کے اس حقیقی مفہوم کا عرفان ممکن ہو جائے جس کا احساس بیدار کرنے کے لئے مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں اپنے مختلف خطبات ومکتوبات اور اقوال کے ذریعے اہتمام فرمایا ہے۔

عدل کے سلسلے میں کماحقہٗ معرفت حاصل کرنے کے لئے سب سے

پہلے صاحبان لغت کی تشریحات وتوضیحات پر غور کرنا ضروری ہے کہ صاحبان لغت نے اس کے کیا معنی بیان کئے ہیں اور حکمانے اہل لغت کی توضیحات کے پیش نظر عدل کے سلسلے میں کیا رائے قائم کی ہے چنانچہ ''عدل'' جو عربی زبان کا ایک سہ حرفی لفظ ہے اور صاحبان لغت نے اس کے معنی معاملات میں مساوات واعتدال اختیار کرنے کے بتائے ہیں اور اسی لغوی مناسبت ورعایت کے پیش نظر حکمانے بھی ''عدل'' کی تعریف اس طرح کی ہے کہ:

''وَضْعُ كُلِّ شَيْءٍ فِيمَا وُضِعَ لَهُ''

''ہر شے کا اسی جگہ رکھنا جس جگہ کے لئے وہ شے بنائی گئی ہو''۔

عموماً حکمانے کسی شے کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس شے کی متضاد و متبائن اشیا کا تعارف ضروری قرار دیا ہے یعنی دن کے صحیح تعارف اور اس کی افادیت کے صحیح عرفان کے سلسلے میں رات کہ جو دن کی ضد ہے اس کا صحیح تعارف ضروری ہوتا ہے اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض مقامات پر اس اصول کو اپنانا ضروری نہ ہو اور بغیر اس اصول کو اپنائے حقیقت تک رسائی ہوجائے اس لئے کہ بیشتر موضوعات اس قدر واضح ہوتے ہیں جہاں اضداد کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی لیکن بعض موضوعات بجائے خود اس قدر عمیق اور وسیع ہوتے ہیں جن کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا اس کے متضاد ومتبائن موضوعات کی مدد کے بغیر ناممکن ہوتا ہے۔

انہیں موضوعات میں سے موضوع عدالت بھی ہے جو اپنے عمق،

وسعت وہمہ گیری کے سبب بآسانی نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ اس کی حقیقت سے صحیح متعارف ہونے کے لئے اس کے متضاد موضوع ''ظلم'' کے سمجھنے کی ضرورت ہے جس کی تعریف دنیائے حکمت میں اس طرح کی گئی ہے کہ

''وَضعُ الشَّئ فِی غَیرِ مَحِلِّه''

''کسی شے کا اس کی جگہ کے خلاف رکھنا''۔

ظلم کی اس تعریف پر غور کرنے کے بعد ''عدل'' کے سلسلہ میں جو ''ظلم'' کا متضاد لفظ ہے ''وَضعُ الشَّئ فِی محله'' کا تصور صادق آتا ہے، یعنی ہر شے کا اس کے مقام پر رکھنا عدل ہوتا ہے۔

یعنی عدل ایک ایسے نقطۂ اعتدال کا نام ہے جس سے سرمو انحراف کرنا ظلم ہو جاتا ہے، عدل کی یہ وہی مشہور تعریف ہے جو حضرت علی علیہ السلام نے عدل وسخاوت کا فرق ظاہر کرتے ہوئے ایک مقام پر اس طرح بیان فرمائی ہے:

''سُئِلَ عَلَیهِ السَّلام ایما افضل العدل او الجود فقال العدل یضع الامور مواضعها و الجود یخرج عن جهتها و العدل سائس عام و الجود عارض خاص فالعدل اشرفها و افضلها'' [۱]

''ایک مرتبہ مولائے کائنات سے سوال کیا گیا کہ عدل اور سخاوت میں سے کون سی صفت افضلیت رکھتی ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ عدل تمام امور کو ان کی جگہ برقرار رکھتا ہے لیکن سخاوت امور کو

اپنی حدوں سے باہر کر کے ان کی حیثیت سے ہٹا دیتی ہے یعنی ان امور کی پہلی حیثیت کو بدل کر نئی حیثیت عطا کر دیتی ہے اور عدل اس کی نگہداشت ونگرانی کرنے والا ہے یعنی کسی شے کو حد اعتدال سے کم وبیش نہیں ہونے دیتا اور ہر شے کو بلا امتیاز یکساں طور پر متاثر کرتا ہے، حقیقتاً عدل کا اثر چونکہ پورے سماج پر مساوی ہوتا ہے اس لئے عدل کا دائرۂ کار ایک عام سیاسی کی طرح وسیع ہوتا ہے اور سخاوت کا دائرۂ عمل محدود ومخصوص ہوتا ہے اس لئے کہ سخاوت اسی سے مخصوص ہو کر رہ جاتی ہے جس کے ساتھ کی جاتی ہے لہٰذا عدل کو بہر طور سخاوت پر افضلیت واشرفیت حاصل ہے''

مولانا رومؒ نے بھی عدل اور ظلم دونوں متضاد صفات کی تشریح وتوضیح اپنے شاعرانہ انداز میں اس طرح کی ہے ؎

عدل چہ بود وضع اندر موضعش — ظلم چہ بود وضع در نا موضعش

عدل چہ بود آب در اشجار را — ظلم چہ بود آب دادن خار را [۲]

منجملہ ان تمام صفات کے جنہیں ذات باری تعالیٰ کے لئے عین ذات ہونے کا شرف حاصل ہے عدالت بھی اس کی ایک ایسی صفت خاص ہے جسے اس نے اپنی ان تمام صفات میں کلیدی حیثیت سے نوازا ہے اور عدالت ہی کو خلاق عالم نے اپنی صفت خلاقیت قرار دیتے ہوئے لفظ ''کن'' کہہ کر اس پوری کائنات کو خلق فرمایا ہے یہاں کی ہر شے بمقتضائے عدالت ہی لباس وجود سے آراستہ

ہوئی ہے یہاں کی ہر شے عدالت ہی کے مطابق اس عالم رنگ و بو میں پائی جاتی ہے اگر اس دنیائے رنگارنگ میں نور عدالت کی ضوباریاں نہ ہوتیں تو کائنات کی ہر شے کا وجود لایعنی ہو کر رہ جاتا کسی شے میں نہ وہ کشش ہوتی نہ جاذبیت جو اہل نظر کے لئے دعوت فکر دینے والی ہے ہر شے ہوتے ہوئے نہ ہونے کے برابر ہو کر رہ جاتی اور تخلیق کائنات کا اساسی مقصد گم ہو کر رہ جاتا۔

یہ پوری کائنات جس کا ہر ذرہ وجود باری تعالیٰ کا مظہر ہے صرف اس کی عدالت ہی کا ایک کرشمہ ہے، یہ پورا نظام کائنات جس میں ذرے سے لے کر پہاڑ تک ہر شے حرکت میں ہے صرف محور عدالت پر ہی گردش کر رہا ہے، بغیر عدالت نہ کوئی شے وجود میں آسکتی ہے اور نہ حیات مستعار پر باقی رہ سکتی ہے۔

خلائے بسیط میں یہ پھیلے ہوئے نجوم و کواکب اور ان کی گردش پیہم، زمیں کی پہنائیوں میں یہ سر بفلک سلسلہ ہائے کوہ اور انکا پرسکون قیام، نشیب زمین میں بے تاہ سمندر اور ان کا سیل و روانی ان سب کے وجود و بقا میں عنصر عدالت ہی کی کارفرمائیاں جلوہ گر ہیں، خلاؤں میں سیاروں کی گردش ہو یا سطح زمین پر پہاڑوں کا پرسکون قیام نشیب زمین میں سمندر کی روانی ہو یا سیلاب ان میں سے ہر شے اپنے نقطۂ اعتدال پر پائی جاتی ہے۔

ان تمام اشیائے کائنات میں عدالت کا فقدان ہی ہر شے میں فساد کا باعث ہوتا ہے یہاں کی کوئی شے ایسی نہیں جس کی بقا و فنا کا دار و مدار عدالت پر منحصر نہ ہو۔

تاریخ کائنات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ عدالت ہی اس کے آغاز کی محرک ہے اور عدالت ہی میں اس کا ارتقا پوشیدہ ہے، عدالت ہی اس کی بقا کی ضامن ہے اور عدالت ہی میں اس کی فنا مضمر ہے

اس میں شک نہیں کہ اس عالم موجودات میں کوئی وجود ایسا نہیں ہے جسے خلاق عالم نے اپنی صفات میں سے کم از کم ایک صفت نہ عطا کی ہو اور اسے اپنی کسی ایک صفت خاص کا مظہر بنا کر اس عالم رنگ و بو میں نہ بھیجا ہو یہی سب ہے کہ اس کائنات کا ہر ذرہ اپنے وجود کے ذریعہ اپنے خالق کی خالقیت کا کلمہ پڑھتا ہوا نظر آتا ہے لیکن ان تمام موجودات عالم میں صرف انسان اس کی ایک ایسی قابل فخر مخلوق ہے جسے خالق نے ان تمام صفات کے ساتھ جو دیگر مخلوقات کو ودیعت کی گئی ہیں اپنی صفت عدل بھی بطور خاص مرحمت فرما کر تمام مخلوقات میں سب سے اشرف و اعلیٰ قرار دیا ہے اور اس کی خلقت پر فخر و مباہات فرماتے ہوئے ''فتبارک اللہ احسن الخالقین'' کی سند دے کر اپنے منشائے تخلیق اور مقصد خالقیت سے باخبر بھی کر دیا ہے اور انسان ہی اس کی ایسی منفرد و ممتاز مخلوق ہے جسے اس نے اپنی طرف سے تاج خلافت و جانشینی سے سرفراز فرماتے ہوئے اس پوری کائنات پر حاکمیت کا شرف بخشا ہے اور اسے ہی ہر قسم کے تصرف کی صلاحیت دے کر تسخیر کائنات کے لئے اس دنیائے رنگارنگ میں بھیجا ہے جس طرح یہ پورا نظام کائنات صرف محور عدالت پر چل رہا ہے اسی طرح انسان کا نظام خلقت بھی ہر حیثیت سے اس نے عدالت ہی سے مربوط و منضبط قرار دیا ہے

تا کہ انسان خداوند عالم کی ودیعت کردہ صفت عدل کو بروئے کار لا کر اپنی حقیقت سے کما حقہ آشنائی حاصل کرے اور اپنے وجود کے ذریعہ اس کائنات کی حقیقت اور اس کی تخلیقی اساس سے متعارف ہو کر اس پر اپنا تصرف و غلبہ برقرار رکھ سکے۔

لہٰذا انسان اگر خود اپنے تخلیقی عمل کا بنظر غائر مطالعہ کرلے تو اس پر یہ بات پوری طرح واضح ہوجائے گی کہ خود اس کا وجود جو کبھی چار عناصر کے نقطۂ اعتدال پر منحصر تھا اور آج سائنسی ترقی کی بدولت سائنسدانوں نے ان عناصرِ کے اجزا و عناصر کی تعداد بڑھا کر ستر (۷۰) یا بہتر (۷۲) ثابت کردی ہے ان سب عناصر کے وجود میں میزان عدل کو اساسی نوعیت حاصل ہے اس لئے کہ ان عناصر میں سے اگر کوئی عنصر اپنے نقطۂ اعتدال سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو سارا نظام وجود درہم و برہم ہونے لگتا ہے جس کی ادنیٰ مثال انسانی صحت و بیماری میں نظر آتی ہے اس لئے کہ ان عناصر کے نقطۂ اعتدال سے تجاوز کرنے پر ہی صحت مرض میں اور حیات، موت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

حقیقتاً ابتدائے آفرینش ہی سے عدالت انسانی سرشت میں شامل رہی ہے چنانچہ وہ پہلا انسان جو فضائے آب و گل کے درمیان مدتوں کا سفر طے کرنے کے بعد جملہ صفات الٰہیہ کا آئینہ دار بن کر تاج خلافت سر پر رکھے اس کائنات کی فضائے بسیط میں جلوہ فرما ہوا تو بیشک اس کی امتیازی شانِ مخلوقیت کے سبب صحراؤں نے اس کے استقبال کے لئے اپنی آنکھیں بچھائیں پہاڑوں نے اس کے سامنے سرنگوں ہو کر اس کی عظمت و بلندی کا اعتراف کیا، رنگا رنگ مناظر

مولائے کائنات نے ایک مقام پر دنیا کے حکمرانوں کو ان کی نزاکت مقام سے اس طرح متنبہ کیا ہے:

"الولایۃ مضامیر الرجال" ۵۸

"حقیقتاً حکومت کرنا لوگوں کے لئے آزمائش کا میدان ہے"

مولائے کائنات کی زندگی کا ہر پہلو اسلامی تعلیمات کا ایک ایسا مکمل نمونہ ہے جس سے ہر زمانے میں سماج کے ہر پست و بلند طبقے کے افراد ہمیشہ درس حاصل کرتے رہیں گے، آپ نے اپنی زندگی میں ہر ہر قدم پر سماجی اصلاح کو ملحوظ رکھا ہے آپ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نظر نہیں آتا جس میں اصلاح معاشرہ مضمر نہ ہو حقیقتاً مولائے کائنات کی زندگی کبھی ان کی ذات کے لئے مخصوص نہیں رہی جس کی حیثیت چند روزہ ہوتی بلکہ پوری دنیائے انسانیت کے لئے ایک ایسا نمونۂ عمل رہی ہے جسے حیات ابد حاصل ہے آپ زندگی بھر دنیائے انسانیت کو اس نقطۂ اعتدال پر زندگی گزارنے کی تلقین کرتے رہے جسے کامرانی حیات میں کلیدی حیثیت حاصل ہے، آپؑ کے وعظ و پند اور تعلیم و تلقین کا یہ سلسلہ کبھی اوقات کا پابند نہیں رہا اور نہ کبھی مولائے کائنات نے اس فریضے کی ادائیگی کو صرف محراب و منبر تک مخصوص رکھا بلکہ ہر مقام اور ہر موقعہ پر اس اہم فریضے کی ادائیگی کو پیش نظر رکھا ہے چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ اپنے ایک صحابی علاء بن زیاد کی علالت کی خبر سن کر اس کی عیادت کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے وسیع و عریض گھر اور ہر قسم کی آرام و آسائش کے ساز و

سامان سے آراستہ رہائش گاہ کو دیکھا تو مولائے کائناتؑ نے بے تامل اس سے فرمایا کہ اے علاء! کاش تم ایسا ہی خوبصورت اور آراستہ مکان آخرت میں بھی چاہتے لہٰذا اگر تم ایسا ہی خوبصورت اور آراستہ مکان آخرت میں بھی چاہتے ہو تو سماج میں عوامی زندگی کو اپنا شعار بنا لو اور اس نقطۂ اعتدال کو اپنے لئے محور حیات قرار دو جو تمہیں اس زندگی مستعار میں ہر قسم کی افراط و تفریط سے محفوظ رکھنے والا ہے، لہٰذا اب تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے اس گھر کو اپنے آرام کے لئے نہیں بلکہ عام مہمانوں کی مہمانداری اور مہمان نوازی کے لئے مخصوص کر دو تا کہ ہر کس و نا کس بلا امتیاز اس سے راحت و آرام حاصل کر سکے اور اپنے اس گھر کو اپنا نہ سمجھتے ہوئے اپنے قرابتداروں کے لئے وقف کر دو اور ان کے حقوق کا احساس کرتے ہوئے انہیں اس گھر سے پوری طرح فیضیاب ہونے کے مواقع فراہم کرتے رہو، اگر تمہاری اس چند روزہ حیات میں تمہارا یہ عمل خلوص نیت کے ساتھ جاری رہے گا تو یقیناً تم آخرت میں بھی ایسے ہی خوبصورت اور وسیع و عریض گھر کے مالک بن سکتے ہو۔

علاء نے مولائے کائنات کی اس ہدایت اور نصیحت کو بہ رضا و رغبت سُنا اور اپنے مقام پر امیر المومنینؑ کی اس ہدایت پر مکمل عمل کرنے کا اسی وقت سے تہیہ کر لیا، اس کے بعد علاء نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا حضرت! میرا چھوٹا بھائی بھی تارک الدنیا ہو گیا ہے اور اس نے اپنے عیال کی ذمہ داریوں کو بالکل فراموش کر کے خود کو ہر حیثیت سے آزاد کر لیا ہے اس نے

آپؑ کی طرز حیات کو اپنے لئے نمونہ بنا کر اس قدر شدت اختیار کر لی ہے کہ ترک دنیا اور ترک لذات کو اپنا شعار قرار دیتے ہوئے موجودہ سخت سردی کے موسم میں بھی باوجود ہر قسم کے لباس موجود ہونے کے صرف بالوں کی ایک چادر ہی اوڑھنے پر اکتفا کر لیا ہے لہٰذا اسے بھی کچھ تعلیم و تنبیہ فرمادیں تا کہ وہ اپنے کاروبار حیات کی طرف متوجہ ہو جائے اور اپنے عیال کے حقوق کی ادائیگی کرنا اپنا فرض سمجھنے لگے، مولائے کائناتؑ نے یہ سن کر اس کے بھائی کو طلب کیا اور اسے اس راہبانہ زندگی اپنانے پر زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اپنی جان اور اپنی اولاد کے دشمن تجھے شیطان نے اپنے دنیاوی فرائض سے منحرف اور اہل وعیال سے لاتعلق کر کے گمراہ کر دیا ہے، ہر وہ شے جو اللہ نے تیرے لئے حلال قرار دی ہے تو اسے اپنے لئے حرام کرنے والا کون ہے، جب تجھے اللہ نے پہننے کے لئے ہر قسم کا لباس دیا ہے کھانے کے لئے تمام پاکیزہ اشیاء عطا کی ہیں تو پھر تو انہیں استعمال نہ کر کے کفران نعمت کیوں کرتا ہے، خداوند عالم نے تجھے دنیا میں بھیجا ہے تو یہاں کے کچھ فرائض بھی تجھ پر عائد کئے ہیں، تجھے اولاد عطا کی ہے تو اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی تجھ پر فرض قرار دی ہے، اسی طرح قرابتداروں اور پڑوسیوں کے کچھ حقوق بھی تجھ پر عائد کئے ہیں، ان سب فرائض کی ادائیگی تیرا اولین فریضہ ہے، خدا کی عطا کردہ تمام نعمتوں سے مستفیض ہونا اور اپنے تمام فرائض سے عہدہ برآ ہونا تیرا مقصد حیات ہے، اس نے عرض کی کہ یا حضرتؑ! آپ بھی تو موٹا جھوٹا لباس پہنتے ہیں اور آپؑ کا کھانا بھی تو روکھا سوکھا ہوتا

ہے حالانکہ آپؑ امیر المومنینؑ ہیں، خداوند عالم نے آپؑ کو دنیا کی ہر شے پر حق تصرف عطا کیا ہے ان تمام سہولتوں کے باوجود جب آپؑ سادہ زندگی اپنائے ہوئے ہیں اور انتہائی عسرت میں زندگی گزار رہے ہیں تو پھر مجھ ناچیز اور خطا کار کے سلسلے میں کیا حکم ہے، مولائے کائناتؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے نادان! خداند عالم نے مجھے جن درجات پر فائز کیا ہے از روئے عدالت ان کی لاج رکھنا میرا اولین فریضہ ہے اس نے مجھے جو مناصب مرحمت فرمائے ہیں انہیں کی عزت و آبرو برقرار رکھنے کے لئے میں نے یہ معتدل اور عام انداز حیات اختیار کیا ہے تاکہ دنیا کے نادار و مفلس اور غریب و مفلوک الحال افراد جنہیں اپنی ناداری و افلاس کے سبب نہ اچھا کھانے کو ملتا ہے اور نہ وہ اچھا پہن سکتے ہیں، میرے رہن، سہن، میرے کھانے اور لباس کو دیکھ کر اپنی عسرت و تنگدستی کی ماری ہوئی زندگی کو بخوشی و رغبت گزار سکیں اور اپنی غربت و ناداری پر صبر کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں۔

چنانچہ مولائے کائناتؑ نے اپنے ایک خطبہ میں اپنی عام سماجی زندگی کے ساتھ بحیثیت ایک حکمراں کے بھی اپنی زندگی کے نمونے پیش کر کے دنیا کے حکمرانوں کو دعوت عمل دی ہے اور اپنے اس نظریۂ حیات کو تفصیلی طور پر پیش کرتے ہوئے دنیا کے عادل حکمرانوں کی ہمت افزائی بھی کی ہے جس کا آخری حصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

''انّ اللّٰہ تعالیٰ فرض علی ائمة العدل ان یقدّروا انفسھم بضعفة الناس کیلایتبیغ بالفقیر فقرُہ'' ۵۹؎

''بلاشبہ خداوند عالم نے عادل رہبروں پر یہ بات فرض کی ہے کہ اپنی زندگی کو ضعیفوں اور کمزوروں کی زندگی کے برابر قرار دیں یعنی ضعیفوں اور کمزوروں کی زندگی کو بھی وہی اہمیت دیں جو اپنی زندگی کو دی جاتی ہے اپنی زندگی کو زیادہ نہ سمجھیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فقیر کو اس کی تنگدستی رنج وغم میں مبتلا کر کے ہلاک کر ڈالے''

کبھی اپنے مقرر کردہ حکمرانوں کے سامنے اسلامی حکمرانیت کی صحیح تصویر پیش کرنے کے سلسلے میں بحثیت ایک اسلامی سربراہ کے اپنی زندگی کی مثال دے کر اسلام کے صحیح خدوخال کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے۔

''الا و انّ لکلّ ماموم اماما یقتدی به و یستضئی بنور علمه الا و انّ امامکم قد اکتفی من دنیاکم بطمریه و من طعمه بقرصیه الا و انکم لا تقدرون علی ذالک و لٰکن اعینونی بورع و اجتهاد و عفةو سداد فواللّٰه ماکنزت من دنیاکم تبرا ولا دخرت من غنائمها و فرا ولا اعددت و لبالی ثوبی طِمرا'' ۶۰

''آگاہ ہو کہ ہر راہ گیر راہ رو کا ایک راہبر ہے جس کی وہ راہ رو پیروی کرتا ہے اور جس کے نور علم سے وہ زندگی میں روشنی پاتا ہے،

دیکھو تمہارے امام کی حالت یہ ہے کہ اس نے تمہاری دنیا میں سے اپنا جسم چھپانے کے لئے صرف دو کپڑوں اور پیٹ بھر کر کھانے کے لئے غذا میں صرف دو روٹیوں پر ہی اکتفا کر لیا ہے، البتہ تم ایسا نہیں کر سکتے جو کچھ میں کرتا ہوں لیکن حسب مقدور پرہیز گاری، جد و جہد، عفت اور پائیداری میں میرا ساتھ تو دو یعنی جو کچھ میں کرتا ہوں اس کی پیروی کرنے کی کوشش کرو، خدا کی قسم میں نے تمہاری دنیا سے سونا، چاندی جمع نہیں کیا اور نہ اس کے مال و متاع میں سے انبار جمع کر رکھے ہیں اور نہ ان پرانے کپڑوں کے علاوہ جو پہنے ہوئے ہوں کوئی اور پرانا کپڑا مہیا کیا ہے''

اس کے بعد اس مادی دنیا کی کم حیثیتی و بے ثباتی اور اپنے زہد و تقویٰ کا ذکر ایک اور مقام پر اس طرح فرماتے ہیں:

''ولو شئتَ لا هتديتَ الطريق الى مصفىٰ هٰذا العسل ولبابِ هٰذا القمح و نسائجِ هٰذا القزّ ولكن هيهات ان يغلبنى هواى و يقودنى جشعى الى تخيّر الاطعمة و لعل بالحجاز او اليمامه من لا طمع له فى القرص ولا عهدَ له بالشّبع او ابيت مبطانا و حولى بطونٌ غرثىٰ و اكباد حرّىٰ'' ۶۱

''اگر میں چاہتا کہ مصفا شہد مغز گندم اور ریشمی لباس سے استفادہ کروں

تو ایسا کرسکتا تھا لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہوائے نفس مجھ پر غالب آجائے اور حرص و طمع مجھے غذاؤں کے انتخاب پر مجبور کردے، جب کہ ہوسکتا ہے کہ حجاز یا یمامہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو ایک روٹی کا بھی محتاج ہو اور اسے پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا ہو یا میں شکم سیر ہو کر سوؤں جبکہ میرے اردگرد بھوکے پیاسے لوگ موجود ہوں''

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''اأقنع من نفسي بان يقالَ اميرُ المومنين ولا اشاركهم في مكاره الدهر او اكون اسوةً لهم في جُشُوبَة العيش''[٦٢]

''کیا میں اس بات پر قناعت کرسکتا ہوں کہ لوگ کہیں کہ یہ امیر المومنین ہے جبکہ زمانے کی سختیوں اور مشکلات میں ان کا شریک نہ ہوں یا زندگی کی تنگیوں میں ان کے لئے نمونہ عمل نہ بنوں''

مذکورہ فرمودات کی روشنی میں مولائے کائنات کی عدالت، ظلم دشمنی، خدمت خلق، حق پرستی، غربا پروری، انسانی ہمدردی، اعلیٰ انسانیت، علم و حلم، شجاعت و بہادری، بصیرت و بصارت اور دور اندیشی وغیرہ وہ تمام صفات جو ایک مثالی انسان کے لئے ممکن ہوسکتی ہیں مولائے کائنات کی زندگی میں ان کا بخوبی جائزہ لیا جاسکتا ہے اور یہ تمام صفات اس ذات والا مرتبت کی صحبت اور تربیت و تعلیم کا نتیجہ ہیں جسے خلاق عالم نے ''انک لعلیٰ خلق عظیم'' [٦٣]

کی سند دے کر دنیا میں بھیجا تھا اور جس نے دنیا میں تشریف لانے کے بعد اپنی آمد کا سبب ان الفاظ میں بتا کر کہ:

''انّما بُعثت لا تمّم مکارم الاخلاق'' ۶۴

''میں دنیا میں اخلاق کی بلند اقدار کو پیش کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں دنیائے انسانیت پر انسان کا مقصد تخلیق واضح کیا تھا''

حقیقت یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں حضرت علی علیہ السلام کی ذات گرامی ہی ایک ایسی ذات ہے جسے ہر نوعیت سے ''جامع الصفات'' کی حیثیت حاصل ہے اور علی ہی کو یہ انفرادیت وامتیاز بھی حاصل رہا ہے کہ انہیں پیغمبر اسلامؐ سے جو قربت خاص رہی ہے وہ کسی دوسرے کو میسر نہ ہو سکی، علیؑ ہی کو یہ شرف ملا کہ آغوش رسالت میں آنکھ کھولنے کے بعد سے وفات رسولؐ تک ہر مقام پر سائے کی طرح رسولؐ کے ساتھ رہے علیؑ ہی کو یہ عظمت حاصل ہوئی کہ اگر رسولؐ نے خود کو شہر علم قرار دیا تو علی کو باب شہر علم بنا کر ان تمام علوم ظاہر و باطن کا خزینہ دار بنا دیا جو رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبدئے فیاض کی طرف سے عطا ہوئے تھے، علیؑ ہی کی شخصیت اسلام میں ایک ایسی منفرد شخصیت ہے جس نے اپنے کردار واقوال اور ہر حرکت وسکون کے ذریعے دنیائے انسانیت کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کردار وصفات کے مکمل نمونے پیش کئے ہیں، علیؑ دنیائے انسانیت کی ایک ایسی لاثانی شخصیت کا نام ہے جس نے اپنی

زندگی کی ہر سانس کے ذریعے اسلام کے اخلاقی اقدار کی بھرپور ترجمانی کر کے اسلام کے حقیقی نقطۂ نظر اور صحیح خد و خال سے دنیا کو روشناس کیا ہے علیؑ ہی نے اپنی روزمرہ کی سماجی زندگی میں اسلام کی بنیادی و امتیازی صفات و خصوصیات یعنی مساوات، اخوت، محبت، رحم و کرم اور عدل و انصاف وغیرہ کو اپنا معمول بنا کر عام سماجی زندگی میں ان صفات کے اپنانے کا سلیقہ دیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی پوری زندگی ایک ایسے نقطۂ اعتدال پر نظر آتی ہے جس میں کسی قسم کی افراط و تفریط کا شائبہ تک نہیں ملتا یہ اعتدال و میانہ روی اسی صفت عدالت کا فطری نتیجہ ہے جو بحیثیت انسان خداوند عالم کی طرف سے انہیں عطا ہوئی ہے جس کا احساس کرنا اور اپنانا ہر انسان کا اولین فریضہ ہے، اگر دنیائے انسانیت اس حقیقت کا پوری طرح احساس کرتے ہوئے مولائے کائنات کے کردار کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنا کر دنیا میں زندگی گزارے تو سماجی زندگی میں کسی قسم کے فتنہ و فساد کے برپا ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا ہے حقیقتاً حضرت علی علیہ السلام نے اپنے کردار کے ذریعے عام زندگی میں صفت عدالت کی اہمیت کا احساس بیدار کرتے ہوئے ہر قسم کی افراط و تفریط سے پورے انسانی سماج کو ہر طرح محفوظ رہنے کی تعلیم فرمائی ہے اور انہوں نے دنیائے انسانیت کے سامنے اپنی پوری زندگی کو بطور نمونہ پیش کر کے اس نقطۂ اعتدال پر زندگی گزارنے کا سبق دیا ہے جسے محور عدالت کہتے ہیں۔

مولائے کائنات کا اپنی زندگی کو محور عدالت پر قائم رکھنے کا یہ نتیجہ ہے

کہ عام سماجی زندگی کے ساتھ بحیثیت ایک قانونی حکمراں کے بھی دنیائے اسلام میں علی ابن ابی طالبؑ کی شخصیت عدل وانصاف کے اعتبار سے ہر طرح مرکزیت کی حامل رہی ہے، مظلوموں کی غیر معمولی حمایت، پسماندہ اور کمزور عوام کی دستگیری، غریب و نادار طبقے کے لئے بے لوث جذبۂ خدمت، مسکینوں اور بیکسوں پر والہانہ رحم وکرم اور حق پرستوں اور حق آگاہوں کے ساتھ بے غرض و بے ریا محبت وغیرہ انسانیت کے نقطۂ کمال کی یہ تمام ہی اعلیٰ صفات وخصوصیات بحیثیت مجموعی حضرت علی علیہ السلام میں بدرجۂ اتم نظر آتی ہیں، ہر دور اور ہر زمانے میں دنیائے انسانیت علی بن ابی طالب کو ان مخصوص صفات کی علامت مانتے ہوئے ان کے درخشندہ کردار سے ہمیشہ اکتساب فیض کرتی رہے گی۔

حضرت علی علیہ السلام کے کردار کی یہی وہ اساسی خوبیاں ہیں جن کے سبب ان کی شخصیت بلا تفریق مذہب وملت ہر مکتبۂ فکر میں بحیثیت انسان کامل متفقہ حیثیت کی حامل ہے اگر اہل تشیع انہیں حضرت خاتم المرسلین کے بعد اپنا پہلا امام و مقتدیٰ مانتے ہیں تو برادران اہل سنت نے متفقہ طور پر انہیں کو اپنا چوتھا خلیفہ مانا ہے، اہل تصوف علیؑ ہی کو اپنے مسلک کا مرجع مانتے ہوئے سلسلۂ عرفان کا نقطۂ آغاز تسلیم کرتے ہیں اور انہیں کی ذات کو تمام سلاسل تصوف کا منتہیٰ تصور کرتے ہوئے انہیں کے عشق میں خود کو فنا کردینا عشق الٰہی کا ذریعہ اور نجات آخرت کا سبب قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کا کوئی فرقہ یا مسلک ایسا نہیں ہے، خواہ

فطرت اس کا پرتپاک خیر مقدم کرنے کے لئے آگے بڑھے لیکن مختلف موجودات کائنات کی کثرت اور نو بہ نو مناظر کے اژدہام نے اس کی نگاہ نکتہ بین کو اس طرح خیرہ کر دیا کہ خود اپنی حیثیت کو فراموش کر بیٹھا اور جذبۂ حیرت واستعجاب نے اس کے پائے ثبات میں وقتی طور پر ایسی لغزش پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں عدالت کا وہ پہلا نقطۂ اعتدال جسے صرف انسان کی فہمائش کے لئے مخصوص کیا گیا تھا چشم بینا سے کچھ اس طرح اوجھل ہوا کہ اسے ترک اولیٰ کا مرتکب ہونا پڑ گیا۔ آدم کی اسی وقتی لغزش کے سبب نسل انسانی میں صفت عدالت کے ساتھ تحریک ظلم بھی نشو و نما پانے لگی جس کا اولین نمونہ ہابیل کے قتل کی صورت میں رونما ہوا اور قابیل دنیا کا پہلا ظالم قرار پایا۔

بہر طور یہ مسلمہ امر ہے کہ ہر انسان جب اس جہان رنگا رنگ میں قدم رکھتا ہے تو فطرتاً وہ خالق کے عطیۂ خاص یعنی صفت عدالت سے متصف ہو کر، معتدل و متوازن شعور اور عقل سلیم ساتھ لے کر آتا ہے۔ لیکن عموماً انسان موجودات عالم کے اس جم غفیر اور ہمہ ہمی میں گھر کر اس قدر متاثر و مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے کہ اسے اپنی صفت خاص اور اس کی اہمیت و افادیت کی طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی نہیں مل پاتی ہے اور وہ اپنی اس چند روزہ حیات کو یہاں کی رنگ رلیوں میں گنوا کر دنیا سے ناکام رخصت ہو جاتا ہے حقیقتاً عدالت کی نزاکتوں اور باریکیوں کو سمجھنا اور اس کے حقائق کا صحیح عرفان حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے اس کے لئے احتیاط نظر کے ساتھ انتہائی دور اندیشی اور باریک بینی بھی درکار

اہل طریقت کا ہو یا اہل شریعت کا، جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے یا ان کے خانوادے سے بہرہ مند نہ رہا ہو اور جس نے اسی آستانۂ علم وفن سے فیض حاصل نہ کیا ہو چنانچہ تمام علمائے شیعہ تو ابتدا ہی سے تمام علوم وفنون کا ملجاو ماویٰ اسی خانوادے کو مانتے ہوئے بلا واسطہ اسی آستانے سے تحصیل علوم وفنون کرتے رہے ہیں ان کے علاوہ اہل سنت کے تمام علماء و مجتہدین نے بھی جو کچھ حصول علم کیا ہے وہ اسی آستانہ کا فیضان عام ہے جن میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل قابل ذکر ہیں یہی چاروں مجتہدین مسلک اہل سنت کے امام تسلیم کیے جاتے ہیں جنہوں نے بالواسطہ و بلاواسطہ دونوں حیثیتوں سے اسی خانوادۂ علم و دانش سے اکتساب فیض کیا ہے، ان تمام مجتہدین میں امام ابوحنیفہ کو اولیت حاصل ہے جنہیں امام اعظم سے لقب سے یاد کیا جاتا ہے انہوں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ بلاواسطہ امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ ہی سے حاصل کیا ہے جس کے ثبوت کے لئے انہیں کا یہ فقرہ کافی ہے کہ ”لولا السنتان لھلک نعمان“ یعنی امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے حضور میں جو دو سال مجھے گزارنے کا موقع فراہم ہوا اگر یہ دو سال میں ان کی خدمت میں نہ گزارتا تو ہلاک ہو جاتا، ان کے بعد امام شافعی ہیں جنہوں نے بالواسطہ اسی خانوادے سے اکتساب کیا ہے، یعنی محمد ابن الحسن شاگرد امام ابوحنیفہ امام ہی سے سب کچھ پڑھا ہے اور یہ سلسلہ امام ابوحنیفہ کے ذریعہ اسی خانوادے پر منتہی ہوتا ہے، امام مالک نے ربیعۃ الرائے اور انہوں نے عکرمہ

سے اور عکرمہ نے ابن عباس سے حاصل کیا اور ابن عباس انوار علم نبیؐ کے اقتباس
کرنے والے تھے اور امام احمد بن حنبل جوان کے بعد مجتہدین کی فہرست میں شامل
ہوئے انہوں نے امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں سے حاصل کیا ہے یعنی مکمل یہ
بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل سنت کی فقہ بھی آفتاب علوم علوی کی ایک شعاع ہے اسی
لئے ہر زمانے میں اسلامی مورخین و دانشور حضرات نے علیؑ ہی کو مجموعۂ صفات و
کمالات اسلامی قرار دیا ہے چنانچہ ابورافع، اصبغ ابن نباتہ حنظلی، عبید اللہ ابن ابی
راجع، محمد بن قیس، عبدالرحمٰن، ابراہیم ابن ہاشم جلودی، عبدالعزیز ابن یحییٰ ابوعینی محمد
ابن ابی سورہ، احمد ابن محمد اور شیخ بہاء الدین عاملی وغیرہ ان تمام دانشوران اسلام نے
اپنی اپنی فکر و بصیرت کے مطابق مولائے کائنات کے صفات و کمالات کا بنظر غائر
جائزہ لیتے ہوئے بارگاہ مولائے کائنات میں پرخلوص نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے
ان کے علاوہ اسلامی دنیا میں کچھ مورخین ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس معدن علم وفن
کے عالمانہ کمالات کا لوہا مانتے ہوئے باب شہر علم کو بطور خاص ملکۂ عدالت وقضاوت
کا منتہی تسلیم کیا ہے ان میں ابن ابی الحدید، شیخ عباس محمود عقاد، محمد حبیب اللہ شنقیطی،
ابن عبدالبر، علامۂ یعقوب کلینیؒ، ابن طلحہ شافعی، ابن قیم جوزی، ابن عرقوس، استاد عبد
الرزاق مصری، محمد مذکور پروفیسر لا کالج قاہرہ محمد وارث علی سنگلچی استاد دانشگاہ طہران،
علامہ محمد تقی تشتری، فرید وجدی مصری اور محمد ابن عبدہ قابل ذکر ہیں۔

ملت اسلامیہ کے ان تمام نامور محققین و دانشور حضرات نے حضرت علی
علیہ السلام کے ملکۂ قضاوت و عدالت کو صرف نذرانۂ عقیدت ہی نہیں پیش کیا

بلکہ دنیائے اسلام کی ایک ایسی مجموعۂ کمالات شخصیت تسلیم کرتے ہوئے تاریخ انسانیت کا ایک ایسا حسین شاہکار قرار دیا ہے جو ہر زمانے میں دنیائے انسانیت کے سامنے اسلامی کردار کی بھرپور نمائندگی کرتا رہے گا۔

مولائے کائنات کی شخصیت صرف اسلامی دنیا ہی میں مثالی حیثیت کی حامل نہیں ہے بلکہ محققین اسلام کے علاوہ دنیا کے بیشتر مذاہب و مسالک کے صاحبان نظر فلاسفہ و مفکرین بھی حضرت علی علیہ السلام کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جن میں جارج جرداق اور جرجی زیدان جیسے عظیم مفکرین کہ جنہیں اپنے وسیع مطالعے اور عمیق نظری کے سبب دنیائے تاریخ میں مسلمہ حیثیت حاصل ہے بطور خاص اہمیت کے حامل رہے ہیں اس لئے کہ انہوں نے باقاعدہ مولائے کائنات کی شخصیت اور کردار کو اپنی تصانیف میں موضوع قرار دے کر اس انسان کامل کی خصوصیات و صفات پر تفصیلی اظہار خیال کرتے ہوئے دنیائے انسانیت کو انسانیت کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے ان کے علاوہ جبران خلیل، تھامس، کارلائل، ڈاکٹر شبلی، سلیمان کتانی، اوکلی اور گلمن جیسے عیسائی مفکرین بھی قابل ذکر ہیں، انہوں نے بھی مولائے کائنات کو انسانیت کی ایک حسین علامت قرار دیتے ہوئے اپنی اپنی فکر و بصیرت کے مطابق اس محور علم اور منبع فکر و دانش کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

جبران خلیل کا شمار دنیائے عیسائیت کے عظیم علماء و مفکرین میں کیا جاتا

ہے اس کے علاوہ اسے تاریخ عرب پر مکمل عبور ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام میں بطور خاص زبردست دل چسپی رکھنے کے سبب انفرادیت حاصل رہی ہے، اس نے مولائے کائنات کے سلسلہ میں یہ رائے قائم کی ہے:

''علیؑ مر گئے وہ امام تھے، ان کا مقام اور ان کی شان پیغمبروں سے بلند تھی، جو بصیرت، بینائی اور شخصیت کے اعتبار سے پوری دنیا میں مشہور تھے، علیؑ کا تعلق کسی شہر، قوم، زمان و مکان سے مخصوص نہ تھا بلکہ ان کی شخصیت عالمگیر شہرت کی حامل تھی'' ۶۴ے

اس کے بعد اسی سلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوئے مولائے کائنات کی روحانیت کا اس طرح کلمہ پڑھتا ہے:

''میرے عقیدے میں ابو طالبؑ کا فرزند پہلا عرب ہے جس نے روحانیت سے بدرجۂ کمال تعلق پیدا کیا اور ان کے کان آسمانی آوازوں سے لبریز تھے، اور ان کی زبان سے الہام اور وحی کے ذریعہ حقائق کی صدائیں سنائی دیتی تھیں یہ صفات کسی بشر میں نظر نہیں آئے، لطف تو یہ ہے کہ امام نے جاہلیت میں پیدا ہو کر ایسا بلند مقام حاصل کیا، اور جس نے ان سے عداوت و برائی کا مظاہرہ کیا وہ جاہلیت کا سب سے بڑا بے سمجھ انسان ہے، اس لئے کہ علیؑ تمام طالبان حق عاشقوں کے معشوق ہیں'' ۶۵ے

تھامس کارلائل جو مشہور زمانہ کتاب ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' کا مصنف ہے وہ بھی مولائے کائنات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اس کا خیال ہے کہ:

''علیؑ عرب کے سب سے بڑے سورما اور سپاہی تھے، جن کی نظیر گذشتہ اور آئندہ نہیں مل سکتی، ان کی ذات انسانی قوت کا سب سے گہرا منبع تھی، بیس قرن پہلے کی تاریخ میں بھی ایسی ہستی کا پتہ نہیں چلتا، ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کو دوست نہ رکھیں اور ان کے عاشق نہ ہوں اس لئے کہ کون سی خوبی ایسی ہے جس کو ہم دوست نہیں رکھتے اور وہ کون سی خوبی اور بھلائی ہے جو علیؑ میں موجود نہ ہو'' ۶۶

ڈاکٹر شیلی جو طبیعات کا مشہور زمانہ ڈاکٹر رہا ہے اس نے بارگاہ مرتضوی میں اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے:

''علیؑ کی ہستی سب سے بڑی اور سب سے افضل تھی شرق و غرب عالم میں کسی نے ایسا امام و پیشوا و مقتدائے بشریت نہیں دیکھا، دنیا کے تمام بزرگوں کی قافلہ سالاری انہیں کی ذات پر منحصر ہے، وہ بزرگ ہستی کا سرتاپا آئینۂ حق نما تھی جس کی مثال نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا'' ۶۷

سلیمان کتانی نے جو لبنان کا مشہور و معروف عیسائی عالم ہے اس نے مولائے کائنات کے سلسلہ میں جو تاثرات پیش کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ علیؑ کا کردار مافوق البشر تھا اور ان کی قوت نہ صرف باب خیبر کو اکھاڑ پھینک سکتی تھی بلکہ دماغوں پر چھائی ہوئی ظلمت، جہالت اور لاعلمی کے قلعوں کو بھی تہس نہس کر دینے والی تھی، اس کا خلاصہ میں یوں بھی پیش کر سکتا ہوں کہ یہ ہماری کم عقلی کی دلیل ہے کہ ہم علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسی ماورائے فہم شخصیت کو نامساعد حالات کے جال میں الجھانے کی کوشش کریں جس کو اندوھناک صورت و واقعات نے ان کے گرد پھیلا دیا تھا جس طرح سورج کے اطراف بادل پھیل جاتے ہیں۔

یہ واقعات علیؑ کے پیدا کردہ نہ تھے اسی لئے یہ سب چیزیں بھی اس عظیم شخصیت کے ہمالیہ سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہوتی رہتی ہیں، جس طرح بکھرے ہوئے بادل سورج کو نہیں چھو سکتے ہیں اسی طرح کوئی علیؑ تک نہیں پہونچ سکتا ہے، میں بھی بلا خلوص نیت و خشوع وخضوع کے اور عاجزانہ سر تسلیم خم کئے بغیر اس باعظمت آقا کے حضور میں جانے کی جرأت نہ کروں گا جیسا کہ ایک محتاج ہدایت کے لئے لازم ہے'' [۶۸]

اسی سلسلۂ کلام میں ایک مقام پر سلیمان نے مولائے کائنات کا حلیہ بھی بیان کیا ہے جہاں اس نے مولائے کائنات کے خد و خال میں حقائق کی

تلاش کر کے اپنی دور بینی اور عمیق نظری کا ثبوت اس طرح فراہم کیا ہے:

''ظاہری آنکھوں کے لئے آپؑ میانہ قد تھے نہ پست نہ بلند، کشادہ بازو، قوی جسم مگر موٹے پن سے دور، آپؑ کی آنکھیں سیاہ جیسے ظلمات میں نور، آپؑ کی گردن سڈول صراحی............آپؑ حقیقت میں خوبصورت ہیں، آپ کی اپنی آنکھوں کی چمکتی ہوئی سیاہی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپؑ کے تصورات کی بلندی کی بنا پر، آپؑ کے چہرے کی دمک سے نہیں بلکہ آپؑ کے شفاف قلب کی ضیاء سے، آپؑ کے تناسب سے نہیں بلکہ آپؑ کے کردار کی عظمت کی بناء پر آپؑ فی الواقعی بلند و بالا شخصیت ہیں، شمشیر و سپر آپ کے ہاتھ میں قوت پاتے ہیں مگر آپؑ کے طاقتور بازو اور کشادہ سینہ وآہنی کلائیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اعلیٰ اقدار کے اس سیل سے جو آپؑ کے قلب و زبان سے رواں ہے جس کا بہاؤ آپؑ کے کردار و گفتار دونوں ہی رخ سے ایک بحر ناپیدا کنار کی حیثیت رکھتا ہے'' [٦٩]

اوکلی جو اپنے عہد کا زبردست، مستند مورخ تسلیم کیا گیا ہے، اپنی کتاب ''تاریخ عرب'' میں مولائے کائنات کے سلسلے میں یہ رائے رکھتا ہے:

''تمام مسلمانوں میں بالاتفاق علیؑ کی عقل و دانائی کی شہرت ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں آپ کے ''صد کلمات'' ابھی تک محفوظ ہیں جن کا عربی سے ترکی اور فارسی میں ترجمہ ہو گیا ہے، ماسوا اس کے آپؑ کے

اشعار کا دیوان بھی ہے جس کا نام ''انوار الاقوال'' ہے اور بوڈلین لائبریری (کتب خانہ) میں آپؑ کے اقوال کی ایک بڑی کتاب موجود ہے جس کا نمونہ اس تاریخ میں شامل ہے، لیکن آپؑ کی مشہور ترین تصنیف ''جفر و جامعہ'' ہے جو ایک وصلی پر ایک بعید الفہم خط میں جس کے ساتھ اعداد و ہندسے بھی شامل ہیں لکھی ہوئی ہے'' ۷۰

اس کے بعد آگے بڑھ کر وہ کہتا ہے:

''اس جلیل القدر خلیفہ کے خاص خاص یادگار زمانہ داستانیں ہیں اگر ان تمام خارق عادت لکھے ہوئے قصوں سے جو آپ کے بارے میں ذکر کئے جاتے رہے ہیں قطع نظر بھی کر لیا جائے اور آپؑ کا صرف آپؑ کی جرأت و ہمت، خصلت و مزاج، پرہیز گاری اور فہم و دانست سے اندازہ لگایا جائے جب بھی اس قوم عرب میں جو عظیم الشان شخصیتیں گزری ہیں ان میں آپؑ سب سے ممتاز تھے'' ۷۱

اوکلی کے علاوہ عیسائی مورخین میں ''گلمن'' کا نام بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے اس نے بھی تاریخ عرب پر زبردست کام کیا ہے اور مکمل و مبسوط تاریخ عرب ہی کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی جس میں اس نے حضرت علی علیہ السلام کے سلسلے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

''وہ (حضرت علیؑ) اس لحاظ سے بھی قابل احترام ہیں کہ آپ ہی وہ خلیفہ تھے جنہوں نے علم اور فن کی کتابت کی پرورش کی اور حکمت سے مملو اقوال کا ایک بڑا مجموعہ آپؑ کے نام سے منسوب ہے، اگر وہ واقعی آپ ہی کی عقل و فکر اور علم و دماغ کے نتائج ہیں تو یقیناً آپؑ کا قلب و دماغ ہر شخص سے خراج تحسین وصول کرتا رہے گا، آپؑ کے متعلق بہت سے دلچسپ اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے واقعات لکھے ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ کا قلب و دماغ مجسم نور تھا'' ۲۷

یوں تو مندرجہ بالا تمام عیسائی علماء و محققین نے مولائے کائنات کو علم و حکمت، زہد و تقویٰ، فہم و فراست، عدل و انصاف، فکر و دانش، دور بینی و دور اندیشی، بصارت و بصیرت اور انسانیت کی ان تمام اعلیٰ اقدار کا خلاصہ و مجموعہ قرار دیا ہے جو صرف اس انسان کے اندر پائی جا سکتی ہیں جسے انسانیت کی معراج و منتہیٰ ہونے کا شرف حاصل ہو لیکن اوکلی اور گلمن کے بیانات سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے مولائے کائناتؑ کو بطور خاص علم و حکمت اور فکر و دانش کا خزانہ قرار دیا ہے اور انہوں نے مولائے کائنات کے اس مجموعۂ اقوال و مکتوبات کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے جسے عموماً ''نہج البلاغہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دنیا کے ان عظیم محققین کے علاوہ جرجی زیدان اور جارج جرداق کی شخصیات اس سلسلہ میں خصوصاً انفرادیت کی حامل رہی ہیں اس لئے کہ انہوں

نے دیگر محققین کے مقابلے میں انتہائی عمیق نظری سے مولائے کائنات کی شخصیت کا مطالعہ کیا ہے اور اپنے علمی و تحقیقی تجربات کے نتائج کو پوری شرح و بسط اور تفصیل و توضیح کے ساتھ پیش کیا ہے۔

جرجی زیدان کو مصر کے تمام عیسائی علماء میں علمی استعداد، وسیع معلومات اور عمیق نظری کے اعتبار سے امتیاز حاصل رہا ہے یہ بیک وقت عربی، فارسی، انگریزی، جرمنی، فرانسیسی اور لاطینی زبانوں کا ماہر تھا اسے دیگر تمام علوم کے مقابلہ میں اسلامی تاریخ پر مکمل عبور حاصل رہا ہے اس نے اسلامی تاریخ سے متعلق بیشتر ایسی کتابیں قلمبند کی ہیں جنہیں اس کی تحقیق و تلاش کا بہترین شاہکار کہا جاتا ہے، مصر کا مشہور و معروف علمی رسالہ ''الہلال'' جسے دنیائے علم و ادب میں زبردست مقبولیت حاصل رہی ہے اس کی علمی و ادبی کاوشوں کا آئینہ دار ہے، اسلامیات سے متعلق اس کی علمی استعداد و وسعت نظر کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مصر میں جامعہ اظہر قومی علمی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا اور شعبۂ اسلامیات میں ایک لائق پروفیسر کی ضرورت پیش ہوئی تو انتہائی تلاش کے باوجود مصر، ترکی، شام، عراق اور عرب کے پورے علاقے میں کوئی ایک مسلمان اس جیسا وسیع النظر اور علمی استعداد رکھنے والا نہیں مل سکا اور مجبوراً اسی کو اس منصب پر فائز کیا گیا جہاں اس نے اسلامیات سے متعلق انتہائی تحقیق و تلاش کے بعد ایک زبردست ضخیم علمی کتاب ''تاریخ التمدن الاسلامی'' پانچ جلدوں میں تالیف کی جس نے دنیائے عرب سے خراج تحسین

ہے جس کے بغیر اس پرخطر وادی سے بہ سلامت گزر جانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ عدالت ایک ایسے نقطۂ اعتدال پر گردش کرتی ہے جس سے سر مو انحراف ظلم کے مترادف ہو جاتا ہے جسے عام ذہن انسانی باور کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

چنانچہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ جب انسان اس فضائے بسیط میں آنکھ کھول کر اشیائے کائنات کے وقتی و عارضی حسن و جمال کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہاں کی نیرنگیوں میں گم ہو کر اپنے مقصد خلقت ہی کو بھلاوے کی نذر کر دیتا ہے اور یہاں کی رنگینی و رعنائی ہی سے لطف اندوز ہونے کو اپنا مقصد حیات سمجھنے لگتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان کا دل دنیا کی مختلف النوع خواہشات اور گوناگوں تمناؤں اور آرزوؤں کی آماجگاہ بن کر اس طرح دنیاوی غلاظتوں اور کثافتوں سے آلودہ ہو جاتا ہے کہ وہ فطری و حقیقی صفت عدل جسے خلاق عالم نے انسان کے لئے اساس وجودی قرار دیا تھا بالکل مفقود ہو جاتی ہے اور انسان اس چند روزہ حیات کو ہی حیات ابدی تصور کرتے ہوئے فطرت کی ہر قید و بند سے خود کو بالکل آزاد کر لیتا ہے اور ظلم کو بشکل عدالت اپنا شعار بنا کر انسانیت کی اعلیٰ اقدار کو پامال کرنے لگتا ہے۔

حقیقتاً یہ دونوں متباین صفات اپنے اپنے حالات و کوائف کے مطابق ابتدا ہی سے انسان کے اندر پائی جاتی رہی ہیں، جن میں امتیاز کرنا انسان کی عقل سلیم سے متعلق ہے لیکن رنگینی حیات کی طلسماتی محویت اس کی عقل پر پوری طرح

حاصل کیا ہے اور جس کا دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، اس کی چوتھی جلد میں اس نے مولائے کائنات کے زہد و تقویٰ، انصاف پسندی و عدالت اور کردار کی ان تمام اعلیٰ اقدار کو تفصیلاً قلمبند کیا ہے جنہیں انسانیت کی معراج کہا جا سکتا ہے، جس کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے کہ:

''امّا علی فحکایا ته فی الزهد و التقویٰ کثیرة و کان شدید التّمسک بالاسلام حرّ القول و الفعل لا یعرف الدهاء و لا یرکن الی الحیلة فی شان من الشؤن و انما همه الدین و عمدته فی اعماله الصدق و الحق فمن امثله تقشفه و زهده انه تزوج فاطمه بنت النبی و لیس له فراش الا جلد کبش کان ینامان علیه باللیل و یعلفان علیه ناضحهما بالنهار و لم یکن عنده خادم یخدمه و جاء هامال من اصبهان فی ایّام خلافة فقسمه علی سبعة اسهم فوجد فیه رغیفا فقسمه علی سبعة و کان یلس قطیفة لا تقیة البرد و راه بعضهم یحمل تمرا فی ملفحته قد اشتراه بدرهم فقال له یا امیر المومنین الا نحمله عنک فقال ابو العیال حق الجملة و من اقواله فی کیف یجب ان یکون المسلمون قوله خمص البطون من الطویَس

الشفاہ من الظما عمش العیون من البکاء'' ۳ے

''یعنی حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے سلسلہ میں کیا بیان ہو، آپؑ کے زہد وتقویٰ کے بارے میں بکثرت واقعات اور حکایات بیان کی جاتی ہیں، آپؑ اسلامی اصولوں کی سختی کے ساتھ پابندی کرنا ضروری سمجھتے تھے اور اپنے اقوال وافعال کے اعتبار سے پوری طرح آزاد تھے، مکر وفریب اور جعلسازی کے بالکل قریب نہیں تھے، چنانچہ آپؑ کی زندگی کا کوئی دور ایسا نہیں ملتا جس میں ایک لمحہ کے لئے مکر وفریب کی طرف ذرہ برابر آپؑ کی توجہ پائی گئی ہو، آپؑ کی ہمت اور حوصلہ کا سرچشمہ صرف دین اور آپ کا مکمل اعتماد اور بھروسہ صرف سچائی اور حق پر تھا چنانچہ آپؑ کے زہد وتقویٰ کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپؑ نے جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر جناب فاطمہؑ کے ساتھ شادی کی تو آپؑ کے پاس کسی قسم کا فرش نہ تھا صرف دنبہ کی ایک کھال تھی کہ اسی پر دونوں رات کو سو جاتے اور دن میں اسی کھال پر اونٹ کو گھاس دانہ کھلاتے تھے، آپؑ کے پاس کوئی ملازم بھی نہ تھا، جو آپؑ کی خدمت کرتا، آپؑ کی خلافت کے زمانے میں اصفہان، ایران سے ایک مرتبہ خراج کا کچھ مال آیا تو حضرت نے اس کو سات حصوں پر تقسیم

کردیا اسی مال میں سے ایک روٹی بھی نکلی تو حضرت نے اس کے بھی
ساتھ ٹکڑے کئے، آپؑ ایسے کپڑے کا لباس پہنتے تھے کہ جو ذرہ برابر
بھی سردی سے محفوظ نہیں رکھتا تھا، بعض لوگوں نے حضرت کو دیکھا کہ
اپنی چادر میں کھجوریں پشت پر لادھ کر لا رہے ہیں جنہیں حضرت نے
ایک درم میں خریدا تھا ان لوگوں نے حضرت سے عرض کی کہ یا
حضرت! یہ ہمیں دے دیجئے ہم اس کو آپؑ کے گھر تک پہنچا دیں گے
حضرت نے جواب دیا کہ ہر عیال دار آدمی کے لئے یہی مناسب ہے
کہ وہ اپنا بوجھ خود اٹھائے، حضرت کے اقوال میں سے یہ جملہ بھی ہے
کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اتنا کم کھانا کھائیں کہ بھوک سے ان کے
پیٹ پتلے رہیں اور اتنا کم پانی پئیں کہ پیاس سے ان کے ہونٹ خشک
رہیں اور خوف خدا میں اتنا روئیں کہ آنکھیں دھندلانے لگیں"

اس کے بعد جرجی زیدان حضرت کے نظریۂ عدالت کے سلسلہ میں
تحریر کرتا ہے:

"ومن امثلة عدله انّه رای درعاله عند رجل فتقاضیا الی
شریح القاضی فوقف علیّ بجانب خصمه احتراما
للعدل و کان اذا بعث رجاله فی حرب اوصاهم ان
یرفقوا بالناس و ان یکفوا الا ذی عن النساء و کان
شدیدا فی محاسبة رجاله حرصا علی العدل

والحق'' ہے۔

''مولائے کائناتؑ کے عدل و انصاف کے سلسلہ میں جو واقعات مشہور ہیں ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے، آپؑ نے ایک زرہ کسی شخص کے پاس دیکھی آپؑ نے اس سے کہا کہ یہ زرہ میری ہے تیرے پاس کہاں سے آئی؟ لہٰذا دونوں اس وقت کے قاضی شریح کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر حضرت علیؑ صرف اصول عدل و انصاف کی پابندی اور مساوات کا لحاظ برقرار رکھنے کے لئے اپنے فریق کے مقابلے میں کھڑے رہے اور بحیثیت خلیفہ اپنے لئے کوئی مخصوص مقام نہیں چاہا۔

حضرت کا یہ معمول رہتا تھا کہ جب بھی اپنی فوج کو کسی لڑائی میں بھیجتے تو اس کے ہر شخص کو وصیت فرماتے تھے کہ دیکھو مقابلے کی فوج کے لوگوں سے نرمی سے پیش آنا اور عورتوں کی مکمل حفاظت کرنا اور انہیں ہر قسم کی اذیت و پریشانی سے محفوظ رکھنا، لیکن اسی رحم دلی اور نرمی کے باوجود مسلمانوں کے مال کی نگرانی میں آپؑ ایسے سخت تھے کہ اپنے ماتحت ملازمین اور کارندوں سے ایک ایک پیسے کا حساب کرتے تھے اور اس میں انتہائی شدت اور سختی سے کام لیتے تھے اس لئے کہ آپؑ عدل کے تحفظ اور حق قائم کرنے کے لئے ہمہ وقت زبردست کوشاں اور حریص رہتے تھے''

جارج جرداق کی شخصیت ان تمام محققین و مفکرین میں اپنی طرز فکر کے اعتبار سے بالکل علیحدہ حیثیت کی حامل ہے اس لئے کہ جرداق نے بطور خاص مولائے کائنات کے سلسلے میں ایک مبسوط کتاب قلمبند کی ہے جس میں انتہائی تحقیق اور شرح و بسط کے ساتھ مولائے کائنات کی شخصیت و کردار کا تجزیہ کیا گیا ہے اور مولائے کائنات کا انبیائے ماسبق سے تقابل کرتے ہوئے تمام مشاہیر عالم سے علیؑ ابن ابی طالبؑ کو برتر وافضل اور سب سے عظیم صاحب نظر مفکر ثابت کیا ہے۔

جارج کی یہ مشہور زمانہ تصنیف ''الامام علی صوت العدالة الانسانیہ'' کے عنوان سے منظر عام پر آچکی ہے جس کا ترجمہ مولانا محمد باقر صاحب مدیر اصلاح کھجوانے ''ندائے عدالت انسانیہ'' کے نام سے کیا ہے۔

جارج نے اپنی اس معرکۃ الآرا تصنیف میں مولائے کائنات کو ہر حیثیت سے دنیائے انسانیت کا ایک لاثانی و بے نظیر انسان قرار دیا ہے اسی کتاب کے مقدمے میں میخائل نعیمہ نے بارگاہ علوی میں اس طرح نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے:

''عرب کی اس محیر العقول، نادرۂ روزگار انسان نے جو باتیں سوچیں، کہیں اور عمل میں لائیں وہ ایسی باتیں ہیں کہ نہ کسی کان نے پہلے سنیں نہ کسی آنکھ نے پہلے دیکھیں کوئی مورخ زبان اور قلم سے ان باتوں کو

کتنا ہی شرح وبسط سے کیوں نہ بیان کرے پھر بھی وہ اس سے بیش
از بیش ہیں اسی بنا پر آپ کی جتنی بھی تصویر کشی کی جائے لامحالہ
ناقص ہوگی''۔ ۵ے

کلمۃ الحق میں حامد بن شبیر صاحب نے میخائیل نعیمہ کے باقی ماندہ
فقروں کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''اگرچہ وہ (علیؑ) عرب میں پیدا ہوئے مگر ان کی ذات صرف
عرب کے لئے مختص نہ تھی اگرچہ ان کے فیوض و برکات کے چشمے
اسلام سے ابلے مگر ان کی ذات مسلمانوں تک محدود نہیں ہے اگر وہ
صرف مسلمانوں کے لئے ہوتے تو ایک عیسائی کے دل میں از خود
یہ خیال نہ پیدا ہوتا کہ ان کی زندگی کے واقعات کا جائزہ لے اور
ان کے دلوں کو تسخیر کر لینے والے فیصلوں، ان کی بہادری کے مہتم
بالشان کارناموں اور زندگی کے متاثر کن واقعات کی ایک شاعر
کے طور پر مدح سرائی کرے، علیؑ صرف میدان جنگ ہی کے
چیمپین نہ تھے بلکہ اعتقاد، تقویٰ، بے لوثی، فصاحت بیان، عالی
نظری، محتاجوں کی امداد، اور حق کی تائید میں ان کا کوئی نظیر نہیں حتیٰ
کہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ان کے محیر العقول کارنامے
ہمارے لئے آج بھی منارۂ نور بنے ہوئے ہیں'' ۶ے

جارج جرداق نے ایک مقام پر مولائے کائنات کی سیرت پر روشنی

ڈالتے ہوئے آپ کی صفت عدالت کا اس طرح کلمہ پڑھا ہے:

''علی علیہ السلام کے عدل وانصاف پر تعجب نہ کرنا چاہئیے بلکہ اگر آپ عادل نہ ہوتے تب تعجب ہوتا، آپ کی عدالت میں جو روایتیں منقول ہیں وہ تاریخ انسانیت کی بیش بہا میراث ہیں اور انسان کو ایسے واقعات پر فخر ومباحات کرنا چاہئیے'' ۷۷

اس کے علاوہ جارج نے اپنی اس کتاب میں ایک باب ''منشور اقوام متحدہ اور حقوق انسانی کا اعلان'' کے عنوان سے بھی قائم کیا ہے جس میں حقوق انسانی کے سلسلے میں بطور خاص مولائے کائنات کے نظریہ کو باقاعدہ ایک علیحدہ باب کی حیثیت دے گئی ہے اور مولائے کائنات کے نظریہ ہی کی روشنی میں حقوق انسانی کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے چنانچہ ایک مقام پر وہ کہتا ہے:

''ہم نے اس مقصد سے کہ ان حضرات کے عقائد وتصورات کو نمایاں کر سکیں اور بہتر و واضح تر طریقے سے معلوم کر سکیں کہ کس قوت قدسیہ کے ساتھ یہ ہدایتیں صادر ہوئی ہیں مناسب سمجھا کہ اقوام متحدہ کے منشور اور حقوق انسانی کے اعلانیہ میں سے ان اہم اصول کا اس مقام پر ذکر کردیں جن کا تمام قوموں کے نمائندوں نے اعتراف کیا ہے اگر علی علیہ السلام کے دستور اور اس منشور کے درمیان کوئی فرق ہوگا تو اس کو ناظرین خود سمجھ لیں گے اور اس کا سب معلوم کرلیں گے''

اس مختصر تمہید کے بعد جارج نے مولائے کائنات کے اس دستور

حیات پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے جو نہج البلاغہ کے مختلف خطبات و مکتوبات میں جا بجا پایا جاتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ:

''ہم اجمال و اختصار کے ساتھ کہتے ہیں کہ مفہوم کے اعتبار سے امام علیہ السلام کے دستور اور حقوق انسانی کے بارے میں منشور اقوام متحدہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اگر کوئی فروعی اور ظاہری فرق نظر بھی آجائے تو وہ اصطلاحات زمانہ میں تغیر واقع ہو جانے کی وجہ سے مجبوراً ہے نہ کہ بنیادی اور اصولی حیثیت سے اس میں کوئی فصل ایسی نہیں ہے جس کی نظیر علی علیہ السلام کے دستور میں نہ پائی جاتی ہو، بلکہ حضرت کے دستور میں اس سے بہتر اور بالاتر چیزیں موجود ہیں'' ۷۸

اس کے بعد جارج جرداق اس فرق پر بھی اظہار خیال کرتا ہے جو ماحول اور وقت کے اعتبار سے دونوں دستوروں میں پیدا ہو گیا ہے جیسا کہ اس کا خیال ہے کہ:

''ان دونوں دستوروں کے درمیان جو کچھ فرق ہے وہ میرے نزدیک چار وجہوں سے ہے اول یہ کہ اقوام متحدہ کے منشور کو دنیا کے ہزاروں عقلمندوں نے مرتب کیا ہے جو اکثر ممالک بلکہ تمام ملکوں سے اکٹھا ہوئے تھے لیکن دستور علوی کو صرف ایک ذات نے نافذ کیا ہے اور وہ ہیں علی ابن ابی طالب علیہ السلام دوسری یہ کہ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام اس سے چودہ سو برس قبل تشریف لائے تھے، تیسرے یہ کہ اقوام متحدہ کے منشور کے وضع کرنے یا در حقیقت اس

کا مواد اکٹھا کرنے والوں نے بیہودہ لاف وگزاف اور اس قدر خودستائی سے کام لیا ہے کہ لوگ سنتے سنتے تھک گئے اور پھر ان کے کاندھوں پر اپنے ہزاروں احسانات کا بار گراں بھی لادا، لیکن علی علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں خضوع وخشوع اور لوگوں کے سامنے فروتنی اختیار کی نہ آپ نے اپنی برتری چاہی نہ بزرگی تلاش کی آپ خدائے تعالیٰ اور انسانوں سے یہی خواہش رکھتے تھے کہ آپ کی کردہ وناکردہ باتوں کے مقابلوں میں درگزر کریں، چوتھی وجہ جوان تینوں سے اہم ہے یہ کہ اقوام متحدہ میں سے جنہوں نے حقوق انسانی کے منشور مرتب کرنے میں شرکت کی اور اس کو تسلیم کیا، اکثر نے خود ہی اس کو توڑ دیا اور اس عہد نامے کو پارہ پارہ کرنے اور ان حقوق کو باطل کرنے کے لئے لڑائی کے میدان میں فوجیں اتار دیں لیکن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جس مقام پر قدم رکھا جس موقع پر بات کہی اور جس وقت تلوار بے نیام کی ہمیشہ جور واستبداد کا پردہ چاک کیا، ظلم وستم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور زمین کو ہموار کیا تاکہ اس پر آسانی سے قدم بڑھائے جاسکیں یہاں تک کہ انسانی حقوق کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے باوجودیکہ آپ اپنی زندگی میں ہزاروں بار شہید ہو چکے تھے“ ۹ے

یہ چاروں وجوہ جارج جرداق کی اپنی ذاتی رائے پر مبنی ہیں لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سب صحیح ہوں اس لئے کہ اس نے اپنی عقل کے مطابق جو بہر طور ناقص ہے یہ چاروں وجہیں تلاش کی ہیں، یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ جارج جرداق مولائے کائنات کو دنیا کے عظیم انسانوں میں سے ایک عظیم انسان تسلیم کرتا ہے اور دنیا کے بڑے بڑے عقلا میں سے ایک زبردست عقلمند آدمی مانتا ہے لیکن معصوم ہونے کا تو وہ بھی قائل نہیں ہے لہٰذا اس سے اس مذکورہ نظریے سے زیادہ کی توقع کرنا کسی طرح مناسب نہیں اس نے اپنی عقل کے مطابق مولائے کائنات کی شخصیت کو جو کچھ سمجھا وہ یہی ہونا چاہئیے تھا اس سے زیادہ کی توقع کرنا ایک ایسے شخص سے جو مولائے کائنات کی عصمت کا قائل نہ ہو نامناسب ہے، ایک متدین اور غیر جانبدار مفکر مولائے کائنات کے سلسلے میں جو رائے قائم کرسکتا ہے اس کا خلاصہ یہی ہونا چاہیئے تھا۔

جہاں دنیا کے تمام عظیم مفکرین اور دانشور حضرات نے مولائے کائنات کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے اور مولائے کائنات کی فہم و فراست، علم و دانش، جہاں بانی و حکمرانی، نظم و نسق اور عدالت و انصاف کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے انہیں دنیائے بشریت کا ایک لاثانی شاہکار اور انسانیت کا ایک بے مثال نمونہ سمجھتے ہوئے انہیں انسان کامل تسلیم کیا ہے اسی کے ساتھ ہندوستان کے بھی صاحبان علم و حکمت اور مفکرین و دانشور طبقے نے اس انسان کامل کے سلسلے میں اپنی اپنی فکر و نظر اور فہم و بصیرت کے مطابق اپنی مختلف

غلبہ پالیتی ہے اور حقائق اس کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو جاتے ہیں اس وقت انسان حقائق سے بالکل بے بہرہ اور افراط وتفریط کا شکار ہو کر اس طرح گمرہی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ظلم ہی کو حقیقی عدالت مانتے ہوئے کھلم کھلا ہر ظلم کو بنام عدالت اپنا شعار بنالیتا ہے۔ چنانچہ رنگینی حیات کی یہ فریب کاری اور عارضی جاہ و حشم ہی کی یہ مصنوعی اور وقتی تابانی تھی جس نے چشم قابیل کو اس طرح خیرہ کر دیا کہ بنام عدالت بھائی نے بھائی کا خون بہا کر جوہر انسانیت کو تباہ و برباد کر ڈالا۔

جب تک انسانی معاشرے پر وحشیانہ زندگی کا تسلط رہا انسانی سماج ہر وقت فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا رہا ہر طرف قتل وغارتگری کا دحشت گردانہ ماحول چھایا رہا اور ہر جگہ خون کی ہولیاں کھیلی جاتی رہیں سرمایا دار اپنے سرمائے کے بل بوتے پر، طاقتور اپنی طاقت کے غرور میں اور ہر اجارہ دار اپنے اجارے اور اپنی جاہ ومنزلت کے سہارے نادار و کمزور اور بے کس و بے سہارا افراد پر ظلم وستم ڈھاتے رہے، اس طرح ہر زمانے میں مظلوم عوام کو بنام عدل وانصاف نشانۂ ظلم بنایا جاتا رہا ہے لیکن یہ ظلم واستبداد کا سلسلہ کس حد تک مظلوم انسانیت برداشت کرتی اور یہ ناروا جور وستم کب تک انسانیت کو پامال کرتا؟ آخر کار وہ وقت بھی آیا کہ نور حق کی کرن قلوب انسانی میں ضوفگن ہوئی اور مظلوم انسانیت نے اس ظلم واستبداد کے خلاف آواز بلند کی، یہیں سے نیم مہذب دور کا آغاز ہوا جس میں عام طور پر انسانی سماج میں عدالت کی افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے عام انسانی ذہن عدالت کی عظمت واہمیت کا سنجیدگی کے ساتھ احساس کرنے لگا۔

تقریروں اور تحریروں کے ذریعے اپنے عقیدتمندانہ نظریات پیش کئے ہیں ان دانشوروں میں سوامی وویکانند، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، جسٹس ویاس دیو مصرا اور ڈاکٹر شنکر دیال شرما سابق صدر جمہوریہ ہند قابل ذکر ہیں۔

جسٹس ویاس ویر مصرا خانوادۂ اہل بیت سے ہمیشہ متاثر رہے ہیں انہیں اس خانوادے سے جو والہانہ عشق اور پرخلوص اعتقاد رہا ہے اس سے ہر صاحب علم پوری طرح باخبر ہے انہوں نے تاریخ عرب کا عمیق نظری کے ساتھ مطالعہ کر کے مولائے کائنات کے سلسلے میں جو رائے قائم کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

"رسولؐ کے بعد علیؑ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا جس کی حفاظت کے لئے رسول کو بڑے بڑے مصائب برداشت کرنا پڑے، وہ علیؑ جو شیر خدا تھے، جس کا سکہ دنیا کے بڑے بڑے پہلوانوں اور سرکشوں کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا جس نے ہر جنگ میں رسولؐ کو اور رسالت کو بچانے کے لئے اپنی جان پیش کی جس کی ذوالفقار چند لمحات میں سارے عالم کو ختم کرسکتی تھی رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر ثابت قدم رہا اور امن وامان کی راہ اس پر بند کر دی مگر اس کے قدم صراط مستقیم سے نہ ڈگمگائے" [۸۰]

ڈاکٹر شنکر دیال شرما ایک صاحب نظر دانشور کی حیثیت کے حامل رہے ہیں انہوں نے اردو گھر حیدر آباد کی ایک منعقدہ تقریب میں جو خطبۂ صدارت

پیش کیا تھا اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''جس مقدس ہستی کو آنحضرت صلعم نے اپنے کندھے پر ٹھہرایا اس کی بلندی و عظمت کے کیا کہنے، مجھے یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ میں دو مرتبہ کوفہ، کربلا اور نجف جا چکا ہوں، میں نے حضرت علی علیہ السلام کے خطبات نہج البلاغہ کو پڑھا ہے، انسانی دوستی، اصول پسندی، صداقت، راست بازی، جوانمردی، دشمنوں کو معاف کرنا، اور ان کی زندگی کی قربانیاں ان کا نمایاں وصف ہے، حضرت علیؑ کی تلوار (ذوالفقار) کے جوہر سے کون واقف نہیں حضرت علیؑ کی کامیابی میں جسمانی طاقت سے زیادہ ان کی سچائی کی طاقت زیادہ تھی'' ۸۱؎

حقیقتاً حضرت علی علیہ السلام ایک ایسے منصف مزاج اور عدالت پناہ حکمراں، ایک ایسے زاہد و عابد شب زندہ دار اور ایک ایسے بہادر و جانباز مرد میداں تھے جن کی مثال تاریخ انسانیت پیش کرنے سے عاجز ہے، علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شخصیت تاریخ میں ایک ایسی ہمہ صفت موصوف شخصیت رہی ہے جو محراب عبادت میں مصروف عبادت ہوتی تو مصلائے عبادت پر خوف خدا میں گریئہ وزاری کرتی ہوئی دکھلائی دیتی اور جب میدان جہاد میں پہنچتی تو فرط شجاعت سے دلیرانہ انداز میں مسکراتی ہوئی نظر آتی دراصل ایسی متضاد صفات کی حامل شخصیت علیؑ کے سوا تاریخ میں کوئی دوسری نہیں ملتی ہے اگر یہ ایک طرف

عمیق نظر اور دیدہ ور فلسفی تھے تو دوسری طرف ایک باصلاحیت سپہ سالار بھی تھے، علیؑ کی شخصیت ایک بہترین معلم، ایک لاثانی مبلغ ایک بے نظیر ماہر قانون ایک عدالت پناہ منصف اور اسی کے ساتھ ایک محنتی مزدور اور ایک جفاکش کسان کی بھی تھی، حقیقتاً علیؑ ایک ایسے مرد کامل کا نام ہے جس کا کردار دنیائے انسانیت کے لئے ایک ایسا لافانی نمونہ ہے جس سے دنیائے انسانیت قیامت تک رہبری ورہنمائی حاصل کرتی رہے گی۔

مولائے کائنات کی پوری زندگی مکمل طور پر اسلامی اقدار کا بہترین نمونہ ہے آپؑ کی زندگی کا ہر پہلو اسلامی تعلیمات کا ایک ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے جس میں اسلام کے حقیقی خدوخال اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ نظر آتے ہیں، رزم کا میدان ہو یا بزم کا ماحول، کسی مقام پر آپؑ کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ملتا جو اسلامی قالب میں ڈھلا ہوا نظر نہ آتا ہو، آپؑ نے جس طرح اپنے ہم عصر لوگوں کے درمیان اپنی صبح وشام کی زندگی گزار کر اپنے کردار کو اپنے زمانے کے افراد کے لئے نمونۂ عمل قرار دیا ہے تاکہ اس چلتی پھرتی سماجی زندگی اور جیتے جاگتے کردار کو پیش نظر رکھ کر ابنائے زمانہ اپنے کردار کی اصلاح کرتے رہیں اسی طرح آپؑ نے اپنے بعد آنے والی دنیائے انسانیت کے لئے بھی اپنے خطبات ومکتوب اور اقوال وحکم کے ذریعے اپنی زندگی اور کردار کی اعلیٰ اقدار کو دستاویزی صورت میں پیش کردیا ہے، جسے دنیائے علم وادب میں نہج البلاغہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تاکہ قیامت تک دنیائے انسانیت ان خطبات

ومکتوبات کی روشنی میں انسانیت کی اعلیٰ اقدار اور بلندی اخلاق کے رموز ونکات کا اس دستاویز کے ذریعے عرفان حاصل کرتی رہے۔

حیات انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے مولائے کائنات نے اپنے ان خطبات ومکتوبات میں نمایاں طور پر نہ پیش کر دیا ہو، نہج البلاغہ جہاں ان تمام علوم وفنون کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو رہتی دنیا ہر صاحب فکر ونظر کو دعوت فکر دیتا رہے گا اور علم وفن کے متلاشی کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتا رہے گا اسی کے ساتھ یہ اخلاقیات کا بھی ایک ایسا بے تاہ سمندر ہے جس میں قیامت تک ہر متجسس ذہن غوطہ زنی کر کے اخلاقیات کے انمول موتی رولتا رہے گا، مفتی جعفر حسین صاحب نے بھی ایک مقام پر اسی قسم کا اظہار خیال کیا ہے:

"نہج البلاغہ اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے اس کے مختصر جملے اور ضرب المثلیں اخلاقی شائستگی، خود اعتمادی، حق گوئی، اور حق شناسی کا بہترین درس دیتی ہیں" ۸۲

یا ایک مقام پر نہج البلاغہ کو مجموعۂ علوم وفنون قرار دیتے ہوئے اصول حکمرانی کا ماخذ اور ایک جامع دستور ومنشور حکومت ثابت کیا گیا ہے:

"ان خطبات ونگارشات میں مابعد الطبیعاتی ونفسیاتی مسائل کے علاوہ اخلاق، تمدن، معاشرتی اصول، عدل و داد خواہی کے حدود، حرب وضرب کے ضوابط اور عمال ومحصلین زکوٰۃ کے لئے ہدایات بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہیں اور ایک ایسا

مکمل و جامع دستور حکومت بھی ان صفحات کی زینت ہے
جس کی افادیت اس ترقی یافتہ دور میں بھی مسلم ہے کہ
جب سیاست مدنی کے اصول اور جمہوری و غیر جمہوری
حکومتوں کے آئین منضبط ہو چکے ہیں یہ صرف نظریاتی
چیزیں نہیں بلکہ عملی لائحۂ عمل ہے جس پر مسلمانان عالم بڑی
آسانی سے عمل پیرا ہو کر دنیوی و اخروی ارتقا کے اعلیٰ
مدارج پر پہونچ سکتے ہیں'' ۸۳

حقیقتاً نہج البلاغہ علم و حکمت، فہم و فراست، فکر و تدبر اور عرفان و دانش کا ایک ایسا نادر اور لازوال خزانہ ہے جس کی مثال علم و فن کے موجودہ ارتقائی دور میں کہیں نظر نہیں آتی۔

مولائے کائنات نے اس میں ان تمام شعبہ ہائے حیات کو پوری طرح سمو دیا ہے جو کسی بھی طرح حیات انسانی سے متعلق ہو سکتے ہیں، جہاں اس میں علم معاشرہ، علم تمدن، اصول عدل و انصاف اور عدل پروری و عدالت نوازی کو بطور خاص موضوع کلام بنایا گیا ہے اسی کے ساتھ مفاسد، ظلم، دہشت گردی اور تشدد کے انسانیت سوز محرکات کو بھی نمایاں جگہ دی گئی ہے تاکہ متضاد صفات کے مطالعے کے ذریعے حیات انسانی میں عدل و انصاف کی اہمیت و ضرورت کا احساس پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔

حواشی

۱۔ نہج البلاغہ کے سیاسی تعلیمات، ص: ۲۲۷، از حجۃ الاسلام محمد تقی رہبر

۲۔ مثنوی مولانا روم، ماخوذ از نہج البلاغہ کے سیاسی تعلیمات

۳۔ قرآن مجید، سورۂ روم

۴۔ قرآن مجید

۵۔ قرآن مجید

۶۔ قرآن مجید، سورۂ نساء

۷۔ قرآن مجید، سورۂ مائدہ

۸۔ قرآن مجید، سورۂ نساء

۹۔ قرآن مجید، سورۂ نساء

۱۰۔ قرآن مجید، سورۂ نساء

۱۱۔ قرآن مجید، سورۂ مائدہ

۱۲۔ قرآن مجید، سورۂ مائدہ

۱۳۔ فروع کافی، من لایحضرہ الفقیہ
(ماخوذ از مقدمہ امیر المومنینؑ کا عدل وانصاف)

۱۴۔ من لایحضرہ الفقیہ (ماخوذ از مقدمہ امیر المومنینؑ کا عدل وانصاف)

۱۵۔ جامع الاخبار

۱۶۔ جامع الاخبار

۱۷ فروع کافی

۱۸ الامام علیؑ، اقوال امیر المومنینؑ، مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف)

۱۹ مقدمہ امیر المومنین کا نظام عدل وانصاف

۲۰ ترجمہ مطالب السؤل فی مناقب آلؑ الرسولؐ

(ماخوذ از مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف)

۲۱ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۲۲ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف، تاریخ القضا قاضی محمد عروس مصری

۲۳ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف، ص:۲۹

۲۴ ماخوذ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف ص:۲۹

مناقب خوارزمی ص:۴۹، اربعین رازی ص:۴۶۶

۲۵ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف ص:۲۹،

مناقب خوارزمی ص:۵۷، ذخائر العقبی ص:۸۳

۲۶ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف ص:۳۰

۲۷ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۲۸ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۲۹ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۳۰ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۳۱ مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۳۲ے مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف، من لا یحضرہ الفقیہ

۳۳ے مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۳۴ے مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۳۵ے مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۳۶ے مطالب السؤل فی مناقب آلؑ الرسولؐ

(ماخوذ از مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف)

۳۷ے الامام علیؑ ماخوذ از مقدمہ امیر المومنینؑ کا نظام عدل وانصاف

۳۸ے نہج البلاغہ مکتوب ۵۳،ص:۴۶۷، نہج البلاغہ کے سیاسی تعلیمات ص:۲۳۹

۳۹ے نہج البلاغہ، مکتوب:۵۴،ص:۷۵۴

۴۰ے نہج البلاغہ، خطبہ:۱۷،ص:۱۳۱

۴۱ے قرآن مجید، سورۂ یوسف

۴۲ے نہج البلاغہ،ص:۷۵۶

۴۳ے قرآن مجید

۴۴ے نہج البلاغہ،ص:۷۵۸

۴۵ے نہج البلاغہ،ص:۷۴۷، نہج البلاغہ کے سیاسی تعلیمات،ص:۲۳۳

۴۶ے نہج البلاغہ،ص:۷۹۲

۴۷ے نہج البلاغہ،ص:۷۶۴

۴۸ے نہج البلاغہ،ص:۷۱۹، مکتوب:۴۰

۴۹ـ نہج البلاغہ، مکتوب: ۴۱
۵۰ـ نہج البلاغہ، مکتوب: ۴۳
۵۱ـ نہج البلاغہ، مکتوب: ۵۰، ص: ۶۴۳
۵۲ـ نہج البلاغہ
۵۳ـ نہج البلاغہ
۵۴ـ نہج البلاغہ، ص: ۷۳۹، مکتوب: ۴۸
۵۵ـ نہج البلاغہ، ص: ۹۱۹
۵۶ـ نہج البلاغہ، از اقوال امیر المومنینؑ
۵۷ـ نہج البلاغہ، از اقوال امیر المومنینؑ
۵۸ـ نہج البلاغہ، از اقوال امیر المومنینؑ
۵۹ـ نہج البلاغہ، از اقوال امیر المومنینؑ
۶۰ـ نہج البلاغہ، خطبہ: ۲۰۷
۶۱ـ نہج البلاغہ، ص: ۷۲۶
۶۲ـ نہج البلاغہ، ص: ۷۲۶
۶۳ـ قرآن مجید
۶۴ـ جامع الاخبار
۶۵ـ کلمۃ الحق، حصہ دوم ص: ۱۳۴۳، از حامد شبیر
۶۶ـ کلمۃ الحق، حصہ دوم ص: ۱۳۴۳، از حامد شبیر

۶۷۔ کلمۃ الحق، حصہ دوم ص: ۱۳۴۲، از حامد شبیر

۶۸۔ کلمۃ الحق، حصہ دوم ص: ۱۳۴۴، از حامد شبیر

۶۹۔ کلمۃ الحق، حصہ دوم ص: ۱۳۴۵، از حامد شبیر

۷۰۔ امیر المومنینؑ کے سلسلے میں عیسائی محققین کی رائیں ص: ۱۹

۷۱۔ امیر المومنینؑ کے سلسلے میں عیسائی محققین کی رائیں ص: ۲۰

۷۲۔ امیر المومنینؑ کے سلسلے میں عیسائی محققین کی رائیں ص: ۲۰

۷۳۔ امیر المومنینؑ کے سلسلے میں عیسائی محققین کی رائیں ص: ۱۰

۷۴۔ امیر المومنینؑ کے سلسلے میں عیسائی محققین کی رائیں ص: ۱۱

۷۵۔ الامام العلی صوت العدالت الانسانیہ، ماخوذ از ندائے عدالت انسانی

۷۶۔ کلمۃ الحق، حصہ دوم، ص: ۱۳۴۵

۷۷۔ الامام العلی صوت العدالت الانسانیہ، ماخوذ از ندائے عدالت انسانی

۷۸۔ الامام العلی صوت العدالت الانسانیہ، ماخوذ از ندائے عدالت انسانی

۷۹۔ الامام العلی صوت العدالت الانسانیہ، ماخوذ از ندائے عدالت انسانی

۸۰۔ حسینؑ سفیر ویاس دیو مصرا، ص: ۴۱

۸۱۔ کلمۃ الحق، حصہ دوم، ص: ۱۲۶۰، سیاست حیدرآباد جون: ۶۸۰ء

۸۲۔ مقدمہ نہج البلاغہ، مفتی جعفر حسین صاحب ص: ۲۱

۸۳۔ مقدمہ نہج البلاغہ، مفتی جعفر حسین صاحب ص: ۲۰

☆☆☆☆☆

دنیا میں جب تک انسان نیم مہذب زندگی گزار رہا تھا اس وقت تک یقیناً انسانی سماج میں عدالت کی سماجی اہمیت وافادیت کا احساس اس انداز سے بیدار نہیں ہو پایا تھا جسے انسانی معاشرے اور سماج کے شایان شان سمجھا جا سکتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سماج میں ہمہ وقتی ظلم وبربریت اور مسلسل قتل و غارتگری وخونریزی کو بھی جو بلا امتیاز اس زمانے کے معمولات میں شامل تھی اسے بھی عموماً لوگ پسند نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ ایک غیر مہذب وغیر متمدن انسان بھی فطرتاً زندگی گزارنے کے لئے پرسکون ماحول کا متلاشی رہتا ہے ہمہ وقتی دہشت زدہ ماحول ہرگز پسند نہیں کرتا، چنانچہ اپنے زمانے کے اس دہشت زدہ ماحول سے تنگ آکر اسی وقت سے عام انسانی ذہن ایسے ذرائع و وسائل تلاش کرنے لگا تھا جو اجتماعی طور پر زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے پرامن و پرسکون ماحول کی تعمیر میں مددگار ثابت ہو سکیں جس کے لئے عام طور پر عدالت کی اہمیت و عظمت کا احساس پیدا ہونا فطرتاً ناگزیر تھا، چنانچہ نیم مہذب زمانے ہی میں باقاعدہ شعبۂ عدالت کے قیام کی ضرورت محسوس کی جانے لگی تھی۔

تاریخ انسانیت کا مہذب دور ہو یا نیم مہذب عہد شعبۂ عدالت کی اہمیت اور اس کی سماجی افادیت کا احساس بہر حال حیات انسانی کے ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے اس لئے کہ کسی بھی سماج کے تمام افراد میں ذہنی وفکری مماثلت فطرتاً ناممکن ہے چنانچہ ابتدا سے لے کر آج تک کوئی دور ایسا نہیں ملتا جس میں بحیثیت مجموعی انسانی ذہن وفکر میں تفاوت نہ پایا گیا ہو، چونکہ فطرتاً ہر فکر کی تعمیر

قابل مبارکباد ہے ہماری قوم کہ مولائے کائنات کے عدل وانصاف کا مفصل جائزہ نہج البلاغہ کی روشنی میں جو ابھی تک تشنۂ تفصیل تھا حجۃ الاسلام مولانا ڈاکٹر سید محمد سیادت صاحب قبلہ، امام جمعہ والجماعت امروہا کی دقّت نظر، جزرسی اور باریک بینی کے طفیل منظر عام پر آرہا ہے جو مجھ ایسے دقیانوسی فکر والوں کے لئے یقیناً نعمت غیر مترقبہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

استاذ الاساتذہ حجۃ الاسلام مولانا سید **محمد** شاکر صاحب قبلہ
وائس پرنسپل ناظمیہ عربک کالج لکھنؤ

مصنف نے یہ پوری بحث ایسے موثر پیرائیہ بیان میں کی ہے جس کے ذریعے عدالت اور حیات انسانی کے وہ تمام حقائق پوری طرح سامنے آجاتے ہیں جو انسانیت اور انسانی سماج کی فلاح و بہبود کے لئے انتہائی ضروری ہو سکتے ہیں اور جن پر حیات انسانی کا ارتقاء وعروج منحصر ہے۔

سید محمود الحسن قیصر امروہوی

ISBN 81-902394-1-4

اپنے مخصوص ماحول کے ماتحت وقتی ولمحی تاثرات کا نتیجہ ہوتی ہے اور حالات و وقت کے تغیرات کے ساتھ ہر فکر بھی تغیر پذیر رہتی ہے اس لئے تمام افکار میں یکسانیت فطرتاً ناممکن ہے اس کے علاوہ کوئی عہد ایسا نظر نہیں آتا جس میں کوئی ایک انسان ایسا پایا گیا ہو جسے اس کی فکری و ذہنی معیار کے مطابق دنیاوی اغراض وخواہشات درپیش نہ رہی ہوں جن میں انسان کے فکری و ذہنی تفاوت کے سبب نظریاتی اختلاف کا پیدا ہونا ناگزیر ہے جس کے نتیجے میں مختلف قسم کے سماجی تنازعات ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے رفتہ رفتہ فتنہ وفساد کی شکل اختیار کی ہے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر قسم کے تنازعے سے محفوظ رہنا بہر نوع فطرت انسانی کا لازمہ ہے یعنی دنیا میں کوئی شخص کبھی ایسا نہیں مل سکتا ہے جو مختلف قسم کے تنازعات سے خود کو محفوظ رکھنا پسند نہ کرتا ہو چنانچہ اس اہم انسانی ضرورت کے پیش نظر ہر عہد میں عصری تقاضوں کے مطابق شعبۂ عدالت کا قیام عمل میں آتا رہا ہے اور اپنے عصری معیار کے لحاظ سے ہر زمانے میں اس کی ثقاہت اور تقدس برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔

ہمارا یہ نظام حیات جسے زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے اگر اس کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ پورا نظام ہمیشہ محور عدالت پر ہی گردش کرتا رہا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں بھی ارشاد ہے:

"بالعدل قامت السموٰة و الارض"

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ انسانی ارتقا کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جس میں سماجی زندگی کو پرسکون بنانے اور انسانی اقدار کو ترقی پذیر کرنے کے لئے دنیائے انسانیت "عدالت" کی اہمیت وعظمت کا احساس کرتے ہوئے قدم قدم پر اس کے تعاون کی محتاج نہ رہی ہو۔

اسی لئے دنیا کے ہر سماج میں بلا تعیین ادوار کچھ ایسے افراد ضرور پائے جاتے رہے ہیں جنہیں مرکز عدالت مانتے ہوئے پورے سماج میں بلند و برگزیدہ مقام سے نوازا جاتا رہا ہے تاکہ ان افراد کے عدل پرور اور انصاف پسند مزاج کے ذریعے عام سماجی زندگی کو قتل و غارتگری کے بھیانک ماحول سے محفوظ کر کے ارتقا پذیر بنایا جا سکے۔

جس طرح ہر زمانے میں سماجی اقدار تغیر پذیر رہی ہیں اسی طرح ان سماجی تغیرات کے اعتبار سے حسب ضرورت شعبۂ عدالت میں بھی مختلف تبدیلیاں رونما ہوتی رہی ہیں اور اس مفروضہ تغیر پذیر نظام عدالت ہی کے ذریعے سماج کو ہر قسم کے ظلم واستبداد سے محفوظ کرنے اور پرسکون و پرامن ماحول سے ہمکنار کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں، اگر عدالت کو ان نیم مہذب ادوار میں سماجی اعتبار سے کوئی مخصوص مقام واہمیت نہ دی جاتی تو پورا انسانی سماج خونریزی، قتل و غارتگری، تباہی و بربادی اور فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن کر رہ جاتا جس کے نتیجے میں پوری نسل انسانی رفتہ رفتہ بالکل تباہ و برباد ہو جاتی لیکن عدالتی تقدس کو چونکہ ہر عہد میں اولیت و عظمت دی جاتی رہی ہے اور اس اہم فریضے کی ادائیگی

کے لئے ہر زمانے میں کچھ مقدس افراد مصلح اور ریفارمر کی صورت میں پیدا ہوتے رہے ہیں لہٰذا انسانی سماج کے ارتقا کے ساتھ شعبۂ عدالت کے تقدس و ثقاہت میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے اور ان مصلح اور ریفارمر حضرات نے اپنی صلاحیتوں کے ذریعے ہر زمانے میں بدلتے ہوئے سماجی تقاضوں کے مطابق اپنے مخصوص علاقائی سماج میں شعبۂ عدل و انصاف قائم کر کے عام سماجی زندگی کو راحت و آرام اور سکون واطمینان سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی ہے۔

چنانچہ رفتہ رفتہ جب انسان کو شعبۂ عدالت کی قابل قدر کارگزاریوں اور اس کے فیضان عام کے سبب راحت کی سانس لینے اور عزت سے زندگی گزارنے کے بھرپور مواقع حاصل ہوئے تو شعبۂ عدالت کو مقبولیت عام حاصل ہوئی اور عام انسان بھی ایک مہذب و متمدن زندگی اپنانے کی طرف متوجہ ہونے لگا جس کے نتیجے میں تمام تہذیبی و تمدنی اقدار بھی ارتقاپذیر ہونے لگیں اس انقلابی صورت حال کے پیدا ہونے کے بعد بحیثیت مجموعی پوری دنیائے انسانیت کے لئے ایک ایسے مکمل آئین حیات اور ضابطۂ اخلاق کی ضرورت محسوس کی جانے لگی جو دنیا کے ہر علاقے اور ہر طبقے کے لئے بلا تفریق مساوی طور پر کفایت کر سکے۔

لہٰذا معاشرتی زندگی کو بحیثیت مجموعی ارتقاپذیر بنانے اور علاقائی زندگی کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مختلف مذاہب اور مختلف ازم عالم وجود میں آنے لگے جن میں شعبۂ عدالت کو بطور خاص تقدس و برگزیدہ مقام سے نوازنے کے ساتھ ایک منظّم و منضبط صورت دینے کا احساس بیدار رہا۔

دنیا کے یہ تمام مذاہب یا ازم جو انسان کی روز افزوں ضرورتوں کے پیش نظر وقتاً فوقتاً عالم وجود میں آتے رہے ہیں ان کی بہتات اور نو بہ نو تشکیل و ترتیب سے بہرحال یہ بات ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ ذہن انسانی ایک مہذب و متمدن زندگی گزارنے کے لئے کسی ایک ایسے آئین و دستور العمل کا ضرور خواہشمند اور متلاشی رہا ہے جو بحیثیت مجموعی پوری دنیائے انسانیت کے لئے یکساں طور پر مفید و سودمند ثابت ہو سکے۔

یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ کسی ایسے آئین اور دستور حیات کے سامنے آنے کے باوجود جو تمام فطری مقتضیات کو پورا کرنے والا ہو جسکے تمام آئین و اصول بحیثیت مجموعی پوری دنیائے انسانیت کے لئے مساوی طور پر مکمل ضابطۂ اخلاق کی حیثیت رکھتے ہوں اور جو ہر خطے اور علاقے کے مسائل کے سلسلے میں ہر طرح کافی ہو، انسان اپنے فطری تکبر و غرور اور انانیت سے مغلوب رہتے ہوئے کم نظری و کوتاہ بینی کا اس طرح شکار ہو جائے کہ اس آئین فطرت سے مسلسل صرف نظر کرتا رہے یا اس سے متعارف ہونے کے باوجود جان پہچان کر اسے حقیر گردانتے ہوئے اس سے استفادہ کرنے کی کوشش ہی نہ کرے اور اپنے بنائے ہوئے نامکمل ضابطۂ حیات ہی کو ایک مکمل و منظم ضابطۂ حیات تصور کرتے ہوئے اسی پر خود بھی عمل پیرا رہے اور دوسروں کو بھی اس کے اپنانے کی دعوت دیتا رہے، جس کی مثالیں دنیا کے ہر خطے میں بکثرت پائی جاتی رہی ہیں۔

آج دنیائے انسانیت میں ایسے تمام مذاہب کی کثرت ہی اپنے مقام

پر ان کے نامکمل و ناکافی ہونے پر دلالت کرتی ہے اور ان مذاہب و مسالک کی کثرت و بہتات ہی ان کی محدودیت کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔جس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تمام خود ساختہ قوانین و ضوابط اس لا محدود دنیائے انسانیت کے لئے کسی طرح کفایت کرنے والے نہیں ہیں۔

حقیقتاً یہ تمام مذاہب یا ازم جو وقتاً فوقتاً مختلف قسم کے درپیش حالات اور ضرورتوں کے ماتحت عالم وجود میں آتے رہے ہیں ان تمام مذاہب یا ازموں کی تحریک کے پس منظر میں کسی مخصوص علاقے یا محدود و متعین خطے کے مخصوص درپیش تقاضے اور حالات رہے ہیں اسی لئے یہ تحریک بھی کسی ایک شخص یا کسی ایک جماعت کی فکری اختراع یا ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہوتے ہوئے محدود و متعین رہی ہے۔جس میں محرکین کی کم نظری و کوتاہ بینی پوری طرح کارفرما نظر آتی ہے اس لئے کہ ان محرکین کی کم نظری ہی کے سبب ان مذاہب کے مرتبہ اصولوں میں صرف مخصوص علاقائی ضرورتوں ہی کو پیش نظر رکھا جاتا رہا ہے اسی لئے ان مذاہب کا دائرہ کار بھی محدود و متعین رہا ہے اس کے علاوہ چونکہ ان مذاہب کے اصول وقوانین کی تشکیل و ترتیب میں عام فطرت انسانی سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف مخصوص علاقائی درپیش وقتی مسائل حیات ہی کو ملحوظ رکھا گیا ہے اسلئے عام زندگی کے گوناگوں مسائل ان کی گرفت اور ان کے دائرہ کار سے باہر رہے ہیں جس کے نتیجے میں یہ تمام مرتبہ اصول وقوانین افراط و تفریط کا شکار رہتے ہوئے عموماً تغیر پذیر معاشرے کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے سلسلے میں ناکافی ثابت ہوتے رہے ہیں، اس کمزوری کا احساس کرتے ہوئے مذہبی اجارہ داروں کی طرف سے حالات و

وقت کے مطابق ان خود ساختہ مذاہب میں روز افزوں ترمیم و تنسیخ کی جانے لگی جس سے ارتقا پذیر ذہنوں میں تشکیک نشو و نما پانے لگی اور اسی ذہنی تشکیک نے سماج میں مخالف مذہب رجحانات پیدا کئے جو رفتہ رفتہ ترقی پا کر لا مذہبیت کے فروغ و مقبولیت کا سبب بنے ہیں۔

حقیقتاً پوری دنیائے انسانیت کے لئے ایک ایسے ضابطۂ حیات کی ضرورت رہی ہے جس کے تمام اصول و قوانین فطرت انسانی کے مطابق ہوں، جس کی تشکیل و ترتیب کا کام بہر حال کسی ایک انسان یا جماعت کے دائرۂ فکر سے بالاتر ہے اس لئے کہ اس سلسلہ میں کسی ایک انسان یا کسی ایک جماعت کو اپنی وسعت نظر کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے اپنے علاوہ اپنے گرد و پیش کو بھی ملحوظ رکھنا کافی سمجھا جا سکتا ہے لیکن یہ وسعت نظر کسی ایسے آئین اور ضابطۂ اخلاق کے لئے کافی ہرگز نہیں ہو سکتی جو ضابطۂ اخلاق پوری دنیائے انسانیت کے لئے یکساں حیثیت رکھنے والا ہو، البتہ اس کار اہم کے سلسلے میں انسانیت سے ماورا کسی ایسی طاقت کی ضرورت ہے اور کوئی ایسی ماورا ذات درکار ہے جو انسان اور اس کی فطری مقتضیات سے اس طرح واقف ہو جس طرح خود انسان بھی کبھی آشنا نہیں ہو سکا اور وہ ذات صرف اس خالق حقیقی کی ہو سکتی ہے جو انسان اور اس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے چنانچہ اس نے انسان کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ پیدا کر کے ایک ضابطۂ اخلاق بھی اسے دیا ہے تاکہ انسان اس دنیا میں اس ضابطے کے مطابق زندگی گزار کر زندگی کی ان کامیابیوں سے ہمکنار ہوتا رہے جو

اس ظاہری زندگی کا منشا اور نتیجہ ہیں، اگر خالق کائنات انسان کو صرف پیدا کر کے یونہی مادر و پدر آزاد چھوڑ دیتا اور اسے زندگی گزارنے کے لئے کوئی ضابطۂ حیات اور دستور العمل نہ دیتا تو یہ بات اس کی عدالت کے منافی تھی لہٰذا اس نے اپنی عدالت کے مطابق انسان کی خلقت کے ساتھ ہی ایک ایسا ضابطۂ حیات بھی اس کے حوالے کیا ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے جسے قرآنی اصطلاح و اسلوب کے مطابق دین کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا رہے جس کے سلسلے میں اعلان واضح قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"فاقھم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیّم و لکنّ اکثر الناس لا یعلمون" [۳]

"اے رسولؐ! تم اپنے رخ کو دین کی طرف خلوص قلب کے ساتھ قائم رکھو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت یہی ہے جس پر اس نے دنیا کے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے اور یاد رکھو کہ خداوند عالم کے کار خلقت میں کبھی کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں ہے، زندگی میں یہی ایک ایسا مضبوط راستہ ہے جس سے زیادہ مضبوط و مستحکم کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے لیکن لوگوں میں سے اکثر و بیشتر افراد اس حقیقت سے ناواقف و ناآشنا ہیں"۔

اس کے علاوہ ایک مقام پر باقاعدہ اس دین فطرت کا نام ظاہر کرتے

ہوئے اور اپنی پسندیدگی کا اس دین کے سلسلے میں بہ وضاحت اظہار کرتے ہوئے اس طرح اعلان کیا گیا ہے:

"انّ الدّین عند اللہ الاسلام" ؎

"یعنی اسلام ہی وہ دین فطرت ہے جس کے تمام اصول وضوابط فطرت انسانی کے مطابق مرتب کئے گئے ہیں"۔

دنیا کے تمام ادیان ومذاہب میں حقیقتاً اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے دین فطرت ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کا ثبوت اس کے ان تمام قوانین و احکام سے بخوبی ملتا ہے جو بمقتضائے فطرت پوری دنیائے انسانیت کے لئے مساوی طور پر نافذ کئے گئے ہیں اور جن کا نفاذ ہر شعبۂ حیات میں میزان عدالت کے مطابق کیا جاتا رہا ہے۔

اسی اہم فریضے کی ادائیگی کے لئے خالق کائنات نے ہر زمانے میں دنیا کے ہر علاقے اور خطے میں اپنی طرف سے انبیاء ومرسلین کو مبعوث کیا ہے جن کا اولین فریضہ خداوند عالم نے یہی قرار دیا ہے کہ وہ ان تمام فطری احکام کو جنہیں بصورت وحی والہام ان پر وقتاً فوقتاً نازل کیا جاتا رہا ہے۔ اپنے معاشرے میں نافذ کریں اور میزان عدل قائم کر کے ان تمام غیر فطری احکام وقوانین کی تردید کردیں جو کسی انسان یا جماعت کی فکری کاوش کا نتیجہ ہوسکتے ہیں، تاکہ عام انسانی ذہن میں عدالت کی مقصدیت کو سمجھنے کی صلاحیتیں پیدا ہونے کے ساتھ اس کی اہمیت وضرورت کا احساس بھی بیدار رہے اور دنیائے انسانیت ہر اس برائی سے

پاک وصاف ہو جائے جو انسانیت کے اس حقیقی عروج وارتقا میں کسی طرح بھی مانع ہو سکتی ہے جو خداوند عالم نے اسی کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔

خونریزی، قتل وغارتگری اور فتنہ وفساد کسی بھی معاشرے کو تباہی وہلاکت اور پستی وبربادی کے سوا کچھ نہیں دیتا اور سماجی ارتقا اور معاشرے کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ عام انسانی ذہن قتل وغارت اور فتنہ وفساد کو معاشرے کے لئے ایک لعنت سمجھ کر فطرت اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کا عادی ہو جائے۔

اسی لئے اسلام کے دائرۂ عمل کو صرف عقائد ہی کی دنیا تک محدود نہیں رکھا گیا ہے، جس کی مثالیں دنیا کے دیگر خود ساختہ ومسخ شدہ مذاہب میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ بلکہ پختگی عقیدہ کا ثبوت عمل پر منحصر کر دیا گیا ہے یعنی ہر انسان کے لئے عقیدے کی پختگی کے ساتھ عملی طور پر ہر حکم کا عملاً بجالانا ضروری ہے صرف اظہار عقیدہ ہی کافی نہیں ہے اسی لئے عقائد کی تاکید کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں اس کے تمام احکام وقوانین کو بھی نافذ العمل قرار دیا گیا ہے، جس میں سماجیات، اخلاقیات، سیاسیات، تہذیب وتمدن اور ثقافت ومعاشرہ وغیرہ تمام موضوعات حیات شامل ہیں اور ہر مقام پر عدالت ہی کو ایک ایسا محور عمومی بنادیا ہے جس کے چاروں طرف حیات انسانی گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

اس میں شک نہیں یوں تو تمام ہی انبیاء ومرسلین نے اپنے اپنے زمانے میں بمقتضائے حالات اسلام کی فطری اقدار کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی آئین واحکام کی ترسیل کا فریضہ باحسن وجوہ انجام دیا ہے لیکن جس جامعیت و

ہمہ گیری کے ساتھ پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بصورت قرآن مکمل ایک دستور حیات دنیائے انسانیت کو دے کر اس اہم فریضے کی انجام دہی کی ہے اس کی مثال ان سے پیش تر کہیں نظر نہیں آتی۔

قرآن مجید پوری نسل انسانی کی ہدایت کے لئے چونکہ قیامت تک کے لئے مکمل دستور حیات کی حیثیت رکھتا ہے اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہونا چاہیئے جو ہر عہد کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہو جیسا کہ اس کا دعویٰ بھی ہے کہ:

"لا رطب وّ لا یابس الا فی کتاب مبین" ۵

دنیا کا کوئی خشک وتر ایسا نہیں جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

لہٰذا کسی ایسی کتاب میں جو کائنات کے جز و کل کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو اس میں سوائے اجمال کے کسی قسم کی تشریح و توضیح ممکن نہیں تھی، لیکن اس اجمال کے باوجود سماجی زندگی کے چند امور ایسے بھی ہیں جن کا مقام انسانی معاشرے اور سماجی زندگی کے عروج و ارتقاء کے سلسلے میں اساسی نوعیت کا حامل ہے، چنانچہ ان امور کی اہمیت کا احساس پیدا کرنے کے لئے انہیں مختلف انداز سے تاکیداً بار بار دہرایا جاتا رہا ہے تاکہ ذہن انسانی میں ان کی اہمیت پوری طرح راسخ ہو جائے جن میں سے عدالت بھی ایک ایسا ہی موضوع حیات ہے جس کا تذکرہ مسلسل جا بجا کیا گیا ہے تاکہ ذہن انسانی کو عدالت کی حقیقی عظمت کا صحیح عرفان حاصل ہو جائے اور سماجی زندگی میں انسان کو اس کی اہمیت و ضرورت سے پوری طرح باخبری و آشنائی حاصل رہے چنانچہ عام اذہان میں عدل و انصاف کی

اہمیت کا احساس پیدا کرنے اور سماجی زندگی میں شدت کے ساتھ اس احساس کو زندگی کے ہر لمحے بیدار رکھنے کے لئے رسولؐ سے اس طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

''انّا انزلنا الیک الکتاب بالحقّ لتحکم بین النّاس بما اراک اللّٰہ'' ٦

''یقیناً اے رسولؐ ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تا کہ تم اس کے مطابق جو اللہ تمہیں مشاہدہ کرا چکا ہے لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ حکم نافذ کرو''۔

قرآن مجید کہ جو آسمانی، الہامی اور آخری کتاب ہے اس کی عظمت و اہمیت اور اس کی جامعیت و آفاقیت ہی کے ثبوت میں اس لاثانی شاہکار قدرت کو تمام سابقہ کتب آسمانی کی تصدیق وترجمانی کرنے والی اور قیامت تک ان کی حفاظت کرنے والی آخری اور الہامی کتاب قرار دیا گیا ہے اور باعتبار موضوعات ومسائل ان تمام کتب سابقہ سے اس کی وحدت ویگانگت اور یکجہتی و یکسانیت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے جس میں موضوع عدل کی اہمیت پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ابتدا ہی سے تمام کتب سابقہ میں عدالت کو ایک اہم موضوع کی حیثیت حاصل رہی ہے اور قرآن مجید میں بھی سماجی زندگی کو معیاری بنانے کے لئے حیات انسانی کی اساس قرار دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن میں جابجا انسانی سماج اور معاشرے میں عدل وانصاف سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے، کبھی رسولؐ سے اس طرح خطاب کیا جاتا ہے کہ:

''و انزلنا الیک الکتاب بالحقّ مصدّقا لّما بین یدیه من الکتاب و مهیمنا علیه فاحکُم بینهم بما انزل اللّٰہ و لا تتّبع اھوائھم عما جائک من الحق لکلّ جعلنا منکم شرعة و منھا جا'' ؎

''اے رسولؐ! ہم نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے جو ان تمام کتب آسمانی کی تصدیق اور حفاظت کرنے والی ہے جو اس سے پیشتر مختلف اوقات میں نازل کی جاچکی ہیں پس اے رسولؐ! تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم لوگوں کے درمیان اس حق کے مطابق فیصلہ کرو جو تم پر واضح کر دیا گیا ہے اور تمہارے لئے بھی ضروری ہے کہ جو حقیقت تم پر واضح کر دی گئی ہے اس سے انحراف کرنے والے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو ہم نے تمام لوگوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک مخصوص شریعت اور ایک واضح طریقۂ حیات مقرر کر دیا ہے''۔

کبھی عوام میں عدالت کی اہمیت اور اس کی عظمت کا احساس بیدار رکھنے کے سلسلہ میں رسولؐ کی عادلانہ و منصفانہ عظمت اور ان کے فیصلوں کو خندہ پیشانی سے قبول کر لینے ہی کو ایمان وایقان کی اساس قرار دیا گیا ہے اور رسولؐ کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا گیا ہے کہ جب تک یہ لوگ تیرے (آپؐ کے) ملکۂ عدالت کے دل سے قائل نہ ہوں اور تیرے (آپؐ کے) فیصلوں کو صمیم قلب کے ساتھ قبول نہ کریں

اس وقت تک ان کے ایمان لانے کا یقین نہ کرنا:

''فلا و ربک لا یومنون حتیٰ یحکّموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما'' ۸

''ایسا نہیں ہے کہ وہ تیرے رب کو تواب و رحیم مانتے ہوں تیرے رب کی قسم وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ لوگ تجھے اپنے ان جھگڑوں میں جو ہمہ وقت ان کے درمیان رہتے ہیں تجھے اپنا حاکم نہ بنالیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگ تیرے فیصلے سے دل تنگ نہ ہوں اور بہ رضا و رغبت اس فیصلے کو اس طرح مانیں کہ جو ماننے کا حق ہے''

کبھی پوری دنیائے انسانیت کو عمومی طور پر مخاطب قرار دیتے ہوئے خصوصاً ان لوگوں کو جن کی امانتداری و دیانتداری پر دنیا میں بھروسہ کیا جاتا رہا ہے انہیں دیانتداری کے ساتھ ان امانتوں کو واپس کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دیگر سماجی معاملات میں بھی زندگی کی ہر منزل میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے کے لئے اس طرح تاکید کی گئی ہے:

''ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکتم بین الناس ان تحکّموا بالعدل'' ۹

''بے شک تمہارے خداوند عالم کا یہ حکم ہے کہ جن لوگوں کی امانتیں تمہارے پاس ہیں وہ ان کے سپرد کرو اور جنکے

درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو“

کبھی عدالت ہی کو ایمان کی سند قرار دیتے ہوئے تمام اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے اور ہر حال میں عدل پر قائم رہنے کی انہیں تاکید کی گئی ہے یعنی زندگی کی کوئی بھی منزل ہو خواہ وجود خداوندی کی شہادت کا موضوع ہو یا والدین اور قرابتداروں کے سلسلے میں کوئی شہادت دینا ہو ہر مقام پر اپنی خواہشات نفس کو ٹھکراتے ہوئے اس نقطۂ اعتدال پر قائم رہنا چاہیئے جسے ”عدل“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس لئے کہ میزان عدل پر قائم رہنا ہی حقیقتاً تمہارے ایمان کی ضمانت ہے

”یا ایھا الّذین آمنوا کونوا اقوّامین بالقسط شھداء للّٰہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیّاً و فقیرا فاللّٰہ اولیٰ بھما فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا و ان تلوٗا او تعرضوا فان اللّٰہ کان بما تعملون خبیرا“ [۱۰]

”اے ایمان والو! زندگی بھر تم انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے وجود کے سلسلے میں ہمیشہ اس کے وجود کی گواہی دینے والے بنو، خواہ یہ گواہی خود تمہاری ذات سے متعلق ہو یا تمہارے والدین اور قرابتداروں کے حق میں ہو، اس سلسلے میں غنی وفقیر کا تمہاری نظر میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیئے، اس لئے کہ اگر تم میں سے کوئی غنی و مالدار ہے تو اس کا حاکم بھی خدا ہے اور جو فقیر و کم مایہ ہے تو اس کا

حاکم بھی خدا ہی ہے، لہٰذا عدالت کے سلسلے میں تم اپنی خواہش نفس کی پیروی مت کرو، اور اگر تم زبان پھیروگے یا حقیقت سے منحرف ہوجاؤگے تو سمجھ لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ ان تمام باتوں سے بخوبی واقف ہے''

کبھی مومنین کو اپنے دشمنوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے سلسلے میں جذبات سے ماورا رہنے کی تاکید کی گئی ہے اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری گواہی جذبات سے متاثر ہوکر مجروح ہوجائے اگر گواہی میں جذبات کی شمولیت ہوجائے گی تو یہ گواہی عدل وانصاف کے منافی ہوگی:

''یا ایھا الّذین آمنوا قوامین للّٰہ شھدا باقسط ولا یجرمنّکم شنان قوم علی الّا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتّقویٰ واتّق اللّٰہ ان اللّٰہ خبیر بما تعملون'' [۱۱]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف کے ساتھ اللہ کی گواہی دینے کے لئے آمادہ ہوجاؤ اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدالت نہ کرسکو تمہیں ہر حال میں عدالت سے کام لینا ضروری ہے اس لئے کہ عدالت ہی تقویٰ اور پرہیزگاری سے سب سے زیادہ قریب کرنے والی ہے، اور اللہ سے ڈرو اس لئے کہ جو کچھ تم زندگی میں کرتے ہو اس سے اللہ بخوبی واقف ہے''

کبھی مقام عدالت کی اہمیت ونزاکت کو عوام کے ذہن نشین کرنے کے سلسلے میں رسول سے اس طرح بھی خطاب کیا جاتا ہے کہ اے رسولؐ! اگر تجھے مشرکین و کفار کے درمیان بھی فیصلہ کرنے کا موقع مل جائے تو تیرے لئے اس وقت یہ ضروری ہے کہ تو کفار و مشرکین کی کثرت وقوت سے مرعوب نہ ہوتے ہوئے صفائی قلب کے ساتھ اپنی دیانتداری کا ثبوت فراہم کرے اور ہر قدم پر عدل وانصاف کی نزاکت مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا فیصلہ صادر کرے اس لئے کہ یہ لوگ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں، تجھے ان سے خوف زدہ اور مرعوب ومتاثر نہیں ہونا چاہیئے تا کہ تیرا فیصلہ کفار ومشرکین کے خوف سے متاثر ومجروح ہونے سے محفوظ رہے:

"ان حکمت فاحکم بینهم بالقسط ان الله یحب المقسطین" [۱۲]

"اے رسولؐ! اگر تم ان لوگوں کے درمیان کوئی حکم کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو اس لئے کہ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

قرآن چونکہ ایک ایسی اجمالی کتاب ہے جس کے مفاہیم ومطالب بغیر توضیح وتشریح کے نہیں سمجھے جاسکتے جیسا کہ دنیائے انسانیت کو اس مجموعۂ کلام کے سمجھنے کے لئے رسولؐ کے زمانے میں بھی قدم قدم پر اس کی تشریحات وتوضیحات کی ضرورت رہی ہے اور آئندہ بھی اس ضرورت کو محسوس کیا جاتا رہے گا۔

لہٰذا اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے خود رسولؐ اسلام نے کہ جنہوں نے خود کو شہر علم کہا ہے اپنے اسوۂ حسنہ اور اقوال واحادیث کے ذریعہ اس کی تشریح وتوضیح کر کے اس اہم فریضے کو انجام دیا تا کہ قرآنی حقائق کو سمجھنے میں انسانی ذہن گمرہی سے محفوظ رہے اور رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد اپنے اہل بیتؑ کو اس اہم فریضے کی ادائیگی پر مامور کیا جن میں سے ہر ایک نے اپنے کردار واقوال کے ذریعے کلام الٰہی کی تشریحات وتوضیحات پیش کی ہیں جن میں خصوصاً حضرت علی علیہ السلام نے کہ جنہیں رسولؐ اسلام نے باب شہر علم قرار دیا ہے۔ قرآنی اجمال کی تشریح وتوضیح بصورت خطبات ومکتوبات کر کے دنیائے انسانیت کو علوم قرآن اور حقائق احکام الٰہیہ سے واقف وآشنا کیا ہے اور عام زندگی کی رہنمائی کے لئے قرآنی آیات واقوال رسولؐ کی روشنی میں اپنے خطبات ومکتوبات میں ان تمام درپیش مسائل حیات کی بھی مزید توضیحات کی گئی ہیں جن سے عام زندگی ہمہ وقت دوچار ہوتی رہتی ہے اور جن کا حل صرف تفہیم عدالت ہی میں مضمر ہے، چنانچہ عدالت کی زندگی میں احتیاج وضرورت اور اہمیت وافادیت پر مختلف پہلوؤں سے اظہار خیال کیا گیا ہے اس لئے کہ عدالت ہی کو زندگی کے تمام موضوعات ومسائل میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

دنیا کی تمام زبانوں میں ذریعہ اظہار کے لئے عموماً دو اسلوب اپنائے جاتے رہے ہیں جن میں سے ایک بلا واسطہ انداز گفتگو ہوتا ہے جس میں مخاطب سے گفتگو کے لئے کسی ذریعے یا وسیلے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ روبرو سیدھی

مخاطَب سے گفتگو ہوتی ہے، دوسرا اسلوب بالواسطہ ہوتا ہے یعنی جس میں کسی ذریعے یا وسیلے کو واسطہ بنا کر کسی کو مخاطب اصلی قرار دیا جاتا ہے، عموماً مفکرین و فلاسفہ نے بھی اپنے تاثرات و نظریات عوام تک پہنچانے میں موقعہ و محل کی مناسبت سے ان دونوں طریقوں سے خوب خوب فائدہ حاصل کیا ہے، لیکن جب موضوع کی اہمیت کا احساس بیدار کرنا مقصود ہوتا ہے تو کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ دونوں طریقے اپنا کر موضوع کی اہمیت ثابت کی جاتی رہی ہے چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی زندگی میں عدالت کی اہمیت و افادیت کا احساس بیدار کرنے کے لئے کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ دونوں طریقوں سے کام لیا ہے اور عدالت کے محاسن اور ظلم کے مفاسد پر روشنی ڈال کر حقیقت عدالت کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔

جیسا کہ ایک مقام پر بلاواسطہ عدالت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے دنیائے انسانیت کو اس نقطۂ اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی ہے جسے حیات انسانی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں مسند عدالت پر بیٹھ کر فیصلہ کرنے والوں کو ان کی نزاکت مقام کا احساس پیدا کرتے ہوئے ایک منصف اور حاکم وقت کے صحیح فیصلہ کرنے کے آداب سے اس طرح متنبہ کیا گیا ہے:

"من ابتلیٰ بقضاء فلایقضی و ھو غضبان" [۱۳]

"جو شخص بھی کسی مقدمے کے فیصلے کے ذریعے امتحان و آزمائش

میں مبتلا کیا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بحالت غیض و غضب فیصلہ نہ کرے اس لئے کہ اس صورت میں اس کے فیصلے میں اس کے غضب کی شمولیت ہو جائے گی جو فیصلے کو نقطۂ عدالت سے دور کر دے گا"

اس کے علاوہ بیش تر مقامات پر بالواسطہ انداز گفتگو اپناتے ہوئے منافی عدالت "ظلم" کو موضوع خاص بنایا گیا ہے اور ظلم کے عیوب و مفاسد اور سماجی زندگی میں اس کے برے اثرات بیان کرتے ہوئے عدالت کی اہمیت اور اس کی اساسی نوعیت سے سماج کو باخبر کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر ظلم کی حقیقت سے عوام کو پوری طرح آشنا کرنے کے سلسلے میں ظلم کو کفر سے بدتر بتاتے ہوئے ظلم کی حقیقت اور اس کی اساسی نوعیت سے اس طرح آگاہ کیا گیا ہے کہ جس سے عدالت کی اہمیت پر خود بخود روشنی پڑ جاتی ہے:

"الملک یبقی مع الکفر و لا یبقی مع الظلم" [۱۴]

"ملک کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے ظلم کے ساتھ ہرگز باقی نہیں رہ سکتا"

کبھی ظلم سے پورے سماج کو محفوظ رکھنے کی تاکید اس طرح کی گئی ہے:

"ایّاکم من الظّلم فانّ الظّلم ظلمات یوم القیامۃ" [۱۵]

"ظلم سے خود کو بچائے رکھو اس لئے کہ ظلم ایسی بری شے ہے جو ظالم کے لئے قیامت کے دن کو تاریک کر دے گا۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ فرمودات اس قدر معنی خیز ہیں کہ تھوڑے تامل کے بعد ظلم اور عدالت دونوں کے حقائق کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔

ایک مقام پر حضرت علی علیہ السلام سے دوران گفتگو خطاب فرماتے ہوئے دنیا کے تمام حکمرانوں کو بالواسطہ مخاطب قرار دیا گیا ہے جس میں ان حکمرانوں کو مقام عدالت کی نزاکتوں اور مفاسد ظلم سے اس طرح آگاہ و باخبر کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

"یا علی السحت الرشوۃ فی الحکم" [۱۶]

"اے علیؑ رشوت لے کر فیصلہ کرنا بھی حرام خوری کے مترادف ہے"

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ رسولؐ کے بعد صرف علیؑ ہی کی ذات ایسی تھی جو منصب عدالت کے لئے ہر طرح موزوں اور مناسب ہو سکتی تھی چنانچہ حضرت علی علیہ السلام ہی کی شخصیت پوری اسلامی دنیا میں ایک ایسی منفرد شخصیت رہی ہے جس نے دور رسالت سے لے کر اپنی خلافت ظاہری تک اس عظیم خدمت کو ایک طویل عرصے اس طرح انجام دیا ہے کہ جس کی مثال تاریخ اسلام پیش کرنے سے عاجز ہے، حضرت علی علیہ السلام کے بے مثل و نظیر ملکۂ عدالت ہی کا یہ تاثر ہے کہ تاریخ اسلام میں باب شہر علم کو امت مسلمہ کے قاضی اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

منصب عدالت ایسا معمولی منصب نہیں جس پر راہ چلتے عام لوگ فائز

ہو جائیں اور اس منصب عظیم کو جائز و ناجائز استعمال کر کے اس کی ثقاہت و پاکیزگی کو تباہ و برباد کر دیں اور اپنی کم ظرفی و کوتاہ نظری کے سبب اس مقام اہم کی عظمت کو خرد برد کر کے اسے حقیر و سبک کر دیں۔

حقیقتاً اس منصب عظیم پر فائز ہونے والے کے لئے عدالت کی اساسی مقصدیت اور ان تمام حقائق سے کماحقہ واقف و روشناس ہونا ضروری ہے جو عدالت کے گرد گردش کرتے ہیں اس مرتبۂ بلند کے شایان شان صرف وہی شخصیت ہو سکتی ہے جسے عدالت کی تمام تر نزاکتوں اور پیچیدگیوں پر عبور حاصل ہو اس لئے کہ عدالت کی نزاکتوں اور درپیش مسائل کی پیچیدگیوں کو پوری طرح سمجھ کر صحیح فیصلے تک پہنچنے کے لئے جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔

دنیا میں اس صبر آزما منزل سے بسلامت گزر جانا نبیؑ یا امامؑ کے سوا کسی غیر معصوم کے بس کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ نبیؑ کو عصمت کے ساتھ وحی و الہام کی تائید حاصل ہوتی ہے اور امامؑ معصوم ہونے کے سبب ہر قسم کی ہوا و ہوس اور خطا سے پاک و صاف ہوتے ہوئے علم لدنّی کا حامل ہوتا ہے، لہٰذا اگر نبیؑ یا امامؑ کے علاوہ کسی غیر معصوم کو اس منصب عظیم پر فائز ہونا پڑ جائے تو اس کے لئے اس سنگلاخ وادی سے بعافیت گزر جانا اور اپنے فریضے سے بحسن و خوبی عہدہ برہونا بغیر زبردست علم، طہارت و تقویٰ اور ذہانت و تدیّن کے ممکن نہیں ہے اور یہ تمام صفات مساوی طور پر صرف اس شخص میں پائی جاسکتی ہیں جسے تائید خدا کے

ساتھ سرپرستی ورہنمائی امام حاصل ہو، منصب عدالت کی اسی نزاکت کے پیش نظر باب شہر علم نے اس کی عظمت واہمیت سے ہر عہد کے عوام کو باخبر کرنے کے سلسلے میں اپنے زمانے کے قاضی شریح سے فرمایا تھا کہ:

''یا شریح قد جلست مجلسالا یجلسه الّا بنی اووصی نبی او شقی'' [۱۷]

''اے شریح تم ایسے نازک اوراہم مقام پر فائز ہو جس پر سوائے نبیؑ یا وصی نبی کے کوئی دوسرا فائز ہونے کا اہل نہیں ہے ان کے علاوہ اگر کوئی شخص اس منصب پر فائز ہوتا ہے تو وہ شقی ہوتا ہے یعنی منصب قضا صرف نبیؑ یا وصی نبیؑ کے لئے زیبا ہے ان کے علاوہ اس فرض کی انجام دہی کا حق ادا کرنا کسی غیر معصوم کے لئے آسان نہیں ہے، اگر کوئی غیر معصوم اس منصب پر فائز کر دیا جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں دامن عصمت سے متمسک رہے اور سایۂ عصمت میں فیصلے کرے''

دنیائے اسلام میں صرف علیؑ ہی کی شخصیت ایسی نظر آتی ہے جسے ہر اعتبار سے تمام شعبہ ہائے حیات میں انفرادیت وامتیاز حاصل رہا ہے، علیؑ ہی کی ایک ایسی منفرد ذات ہے جسے رسولؐ اکرم کے زمانے ہی سے جامع کمالات ہونے کا شرف حاصل رہا ہے اور علیؑ ہی کو یہ شرف حاصل ہونا بھی چاہیئے اس لئے کہ رسولؐ اکرم سے علیؑ کو جو قربت خاص اور ہمہ وقتی حضوری حاصل رہی ہے وہ

کسی کو نہیں رہی، علیؑ ہی کی ذات ایک ایسی تھی جس نے پیدا ہونے کے بعد آنکھیں کھولیں، تو رسولؐ کی آغوش میں اور آنکھ کھول کر سب سے پہلے رسولؐ ہی کے چہرے کی زیارت کا شرف حاصل کیا، علیؑ ہی نے پیدا ہونے کے بعد مسلسل رسولؐ ہی کے زیر سایہ پرورش پائی اور پروان چڑھے، علیؑ بچپن سے ہی سائے کی طرح ہر مقام پر رسولؐ کے ساتھ رہے علیؑ نے رسولؐ ہی کے سایۂ عاطفت میں تمام علوم ظاہر و باطن پر عبور حاصل کیا علیؑ ہی کو رسولؐ نے شہر علم کا دروازہ قرار دیا، رسولؐ اسلام نے جس والہانہ انداز سے مولائے کائنات کو تعلیم و تربیت اور سرپرستی ورہنمائی فرمائی ہے اس کا اظہار خود مولائے کائنات نے ایک مقام پر ان الفاظ میں کیا ہے:

"زقّنی رسول اللہ زقاً زقاً"

"مجھے رسولؐ اسلام نے اس طرح علوم مختلفہ سے فیضیاب کیا ہے جس طرح ایک پرندہ اپنی چونچ سے اپنے نوزائیدہ بچہ کو دانہ بھراتا ہے یعنی جس طرح کوئی پرندہ دانہ چن کر اس دانے کو بجنسہ اپنے بچے کے منہ میں دے دیتا ہے اسی طرح رسولؐ نے وہ تمام علوم جو بذریعہ وحی و الہام رسولؐ تک پہنچے تھے بالکل ویسے ہی مجھے عطا فرمائے ہیں"

چونکہ وہ تمام علوم جو رسولؐ اللہ کو بذریعہ وحی و الہام حاصل ہوئے تھے انہیں رسولؐ نے بعینہٖ علیؑ کی طرف منتقل کر دیا تھا اسی لئے پیغمبرؐ اسلام کو مولائے

کائنات کی صلاحیتوں پر اس قدر بھروسہ اور اعتماد تھا کہ جو بھی مختلف مسائل اور مقدمات اہل مدینہ یا بیرون مدینہ کے لوگوں کے رسولؐ اکرم کے پاس فیصلے کے لئے آتے تھے رسولؐ اکرم ان تمام مسائل و مقدمات کو حضرت علی علیہ السلام کی طرف منتقل فرما دیا کرتے تھے اور بحکم رسولؐ، علیؑ ہی عموماً ان کے فیصلے کیا کرتے تھے، رسولؐ نے اپنے تمام اصحاب میں سب سے پہلے علیؑ ہی کو منصب عدالت پر فائز کیا تھا چنانچہ پیغمبرؐ اسلام نے یمن کا قاضی بنا کر علیؑ ابن ابی طالبؑ ہی کو سب سے پہلے یمن بھیجا جہاں حضرت علیؑ نے اپنے مختصر قیام کے دوران ایسے معرکہ آرا فیصلے صادر فرمائے ہیں جو تاریخ اسلام میں ہمیشہ یاد رہیں گے اور دنیا کے تمام عدل وانصاف کرنے والے ان فیصلون کی رہنمائی میں عدل وانصاف کے حقائق پہچان کر اپنے فیصلوں کو مطابق فطرت قرار دیتے رہیں گے۔

مولائے کائنات کے چند فیصلے یہاں بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں تا کہ قارئین کو اس عدالت پناہ کے ملکۂ عدالت اور اس احساس عدل وانصاف سے بہ آسانی تعارف ہو سکے جو مولائے کائنات کے ذہن میں زندگی کے ہر لمحے بیدار رہتا تھا۔

چنانچہ قیام یمن کے زمانے میں مولائے کائنات نے جو مقدمات طے کئے ہیں ان میں سے ایک مشہور مقدمہ اس بچہ سے متعلق تھا جس کے باپ ہونے کے تین اشخاص دعویدار تھے یہ دلچسپ مقدمہ حضرت علیؑ کے سامنے پیش ہوا اور حضرت علیؑ نے پورے مقدمے کو سماعت فرمایا جس میں ہر دعویدار کا بیان

پوری طرح قلمبند کیا گیا آخر میں قرعہ ڈال کر بچے کو اس شخص کی طرف منسوب کر دیا جس کے نام قرعہ برآمد ہوا تھا اور باقی دونوں اشخاص کو اس شخص سے جس کے نام قرعہ نکلا تھا دو تہائی دیت لے کر دونوں پر برابر تقسیم کر دی، مولائے کائنات کا یہی وہ عظیم فیصلہ تھا جسے سن کر رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسرور ہوتے ہوئے فخریہ انداز میں یہ فرمایا کہ:

''الحمدللہ الّذی جعل فینا اھل البیت من یقضی علی سنن داوٗد'' ۱۸؎

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم اہل بیت میں ایک شخص کو ان صلاحیتوں سے نوازا ہے کہ جن کے سبب حضرت داوٗدؑ کی سنتوں کو پیش نظر رکھ کر وہ مقدمات کے فیصلے کرتا ہے۔''

اس کے علاوہ قیام یمن کے زمانے میں مولائے کائنات کا یہ فیصلہ بھی قابل ذکر ہے جسے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام دونوں سے روایت کیا گیا ہے کہ یمن میں ایک شخص کا گھوڑا اگڑ کر بے قابو ہو گیا اور چاروں طرف بھاگتا پھرا، جس سے ایک شخص اس کی زد میں آکر کچل گیا اور مر گیا، مقتول کے وارث گھوڑے کو پکڑ کر حضرت علی علیہ السلام کے پاس لے کر آئے اور پورا واقعہ بیان کیا، گھوڑے کے مالک نے ثبوت دیا کہ گھوڑا اگڑ کر اس کے گھر سے بھاگ گیا تھا مقتول اس کی زد میں آکر کچل گیا اور مر گیا میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے

یہ پورا واقعہ سن کر حضرت علیؑ نے گھوڑے کے مالک کو بے قصور مانتے ہوئے بری کر دیا لیکن مقتول کے وارث اس فیصلہ سے مطمئن نہیں ہوئے اور رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں حاضر ہوئے اور نظر ثانی کی درخواست پیش کی رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے مقدمے کی سماعت کرنے کے بعد امیر المومنین کے فیصلے کو بحال رکھا۔

رسولؐ اکرم ہی کے زمانے میں حضرت علی علیہ السلام نے آنحضرت ہی کے حکم پر ایک بیل اور گدھے کا بھی مقدمہ طے کیا تھا جو تاریخ عدالت میں یادگار فیصلہ مانا جاتا رہے گا جس کا ذکر علامہ کلینیؒ اور علامہ طوسیؒ وغیرہ نے اس طرح کیا ہے:۔

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے امام محمد باقرؑ سے روایت فرمائی ہے کہ عہد رسالتمآب میں کسی بیل نے گدھے کو مار ڈالا رسولؐ خدا کے پاس مقدمہ آیا، آنحضرت نے حضرت ابوبکر سے فرمایا تم فیصلہ کردو انہوں نے کہا ایک جانور نے ایک جانور کو مار ڈالا ہے کوئی مقدمہ نہیں بنتا، آنحضرت نے حضرت عمر سے فرمایا تم فیصلہ کردو، انہوں نے بھی سابق رائے کی تائید کی، آنحضرت نے پھر حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تم فیصلہ کرو، امیر المومنین نے فرمایا اگر بیل گدھے کے اصطبل میں گیا تھا تو بیل کا مالک گدھے کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرے اور اگر گدھا بیل کے اصطبل میں گیا تھا تو

کسی پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ سن کر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا اور فرمایا:

''الحمد لله الذی جعل منی من یقضی بقضاء النبیین''[۱۹]

''لائق حمد ہے وہ خدا جس نے ایک ایسے شخص کو مجھ سے قرار دیا ہے جو انبیائے ماسبق کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرتا ہے''۔

انہیں لاثانی صلاحیتوں کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ کے درمیان مولائے کائنات کو ''اقضاھم علی'' کی سند عطا فرمائی جس پر محمد بن طلحہ شافعی نے زبردست عالمانہ تبصرہ کرتے ہوئے مولائے کائنات کی صلاحیت عدالت پر جو اظہار خیال کیا ہے علامہ کامونپوری نے ایک مقام پر اس کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:۔

اور رسولؐ خدا نے حضرت علی کو اس صفت سے متصف فرمایا تو آپ نے ان تمام علوم کو ان کے اصول وفروع کے ساتھ ان میں ثابت کیا جب آنحضرت نے حضرت علی کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تھا تو فرمایا تھا کہ:

''یهد الله قلبک ویثبت لسانک''

اس کے بعد حقائق علم قضا آپ کے سینے میں جوش زن ہو گئے جب قضا کے عروج پر پہنچ گئے تو آنحضرت نے فرمایا ''اقضاھم علی''[۲۰]

حقیقتاً رسولؐ اکرم کے بعد دنیائے اسلام میں صرف علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ذات ہر اعتبار سے منفرد وممتاز نظر آتی ہے، یہی دنیائے اسلام کی ایک ایسی عظیم شخصیت تھی جس نے تمام شعبہ ہائے حیات میں صفت عدالت کی عظمت اور اس کی سماجی زندگی میں اہمیت وضرورت پر اپنے خطبات ومکتوبات کے ذریعے زبردست عالمانہ انداز اور انتہائی بسیط پیرائیہ بیان میں اپنے نظریات پیش کئے ہیں جس کی مثال علم وادب کے موجودہ ترقی پذیر دور میں بھی کہیں نظر نہیں آتی۔

دنیائے انسانیت میں مولائے کائنات کی شخصیت ہی ایک ایسی عہد ساز شخصیت رہی ہے جس نے ہر زمانے کے انصاف پسندوں کے دلوں پر اپنے عادلانہ اوصاف وخصوصیات کے ایسے نقوش ثبت کردیئے ہیں جو ہمیشہ دنیائے عدل وانصاف کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ فقط زمانہ رسولؐ ہی میں دادرسوں اور مظلوموں کے مسیحا نہیں رہے بلکہ بعد رسول بھی علیؑ ہی کی ذات ہر طرح ہر زمانے میں مرکز عدالت سمجھی جاتی رہی ہے، چنانچہ دربار خلافت میں جب بھی کوئی سخت مرحلہ یا پیچیدہ مقدمہ پیش ہوتا تو اس مرحلے یا مقدمے کو طے کرنے کے سلسلے میں باب شہر علم ہی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور علیؑ ہی اس خدمت کو اپنا فریضۂ منصبی سمجھتے ہوئے ان تمام مقدمات کو اس طرح طے کردیتے تھے کہ ان کا فیصلہ ہر شخص کے لئے قابل قبول اور باعث اطمینان ہوتا تھا، چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک مقام پر فرمایا ہے کہ بعد وفات رسولؐ خلافت اولیٰ کے زمانے میں حضرت علیؑ کی طرف پہلی بار جس

مقدمے کے سلسلے میں رجوع کیا گیا وہ ایک شرابی کے سلسلے میں تھا، جس کا ذکر علامہ مجتبیٰ حسین کاموںپوری نے اس طرح کیا ہے:۔

"حضرت ابوبکر کی عدالت میں ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی اس نے جرم کا اقرار کیا، حضرت ابوبکر نے کہا کہ شراب حرام ہے پھر تو نے یہ جرأت کیسے کی؟ اس نے کہا کہ میرا مکان جہاں ہے وہاں لوگ شراب پیتے ہیں اور اسے حلال سمجھتے ہیں، میں اسلام لایا مگر شراب کی حرمت کی اطلاع نہیں ملی اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ حرام ہوگئی ہے تو میں نہ پیتا، حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فیصلے کے لئے کہا مگر وہ اس کا فیصلہ نہ کر سکے، اور انہوں نے خود کہا کہ اس میں علیؑ سے رجوع کیا جائے۔" (معظلہ و ابو الحسن لھا) اس مشکل مقدمے کا فیصلہ وہی کر سکتے ہیں، حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ کو بلوانے کے لئے آدمی بھیجنا چاہا، حضرت عمر نے کہا کہ ان کو بلانا نہیں چاہئیے بلکہ ان کے گھر خود چلنا چاہئیے، یہ لوگ وہاں گئے حضرت سلمان فارسی بھی راستے میں مل گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ مولائے کائنات کی خدمت میں پہنچے حضرت علیؑ کو روداد بتائی گئی حضرت علیؑ نے فیصلہ کیا کہ اسے مہاجرین وانصار کی بزم میں کسی کے ساتھ بھیجا جائے اور ان سے پوچھا جائے کہ کسی نے تم میں سے کیا ان کو آیت تحریم شراب سنائی تھی، یا نہیں جس نے بھی ان کے سامنے آیت تحریم شراب پڑھی تھی تو وہ گواہی دے، اگر کوئی گواہ نہ ملے تو اس کو سزا نہ دی جائے"۔ ۲۱

حضرت ابوبکر نے تحقیق کرائی مگر کوئی گواہ نہ ملا لہٰذا اسے کوئی سزا نہیں دی گئی۔

جس طرح حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں حضرت علی علیہ السلام ہر سخت مرحلے اور ہر پیچیدہ مقدمے کے پیش آنے پر حلاّل مشکلات سمجھے جاتے رہے اسی طرح حضرت عمر کے دور خلافت میں بھی ہر پیچیدہ مسئلے اور سخت مقدمے کے حل کے سلسلے میں باب مدینۂ علم ہی کی طرف رجوع کیا جاتا رہا ہے جس کا ذکر زہری اور ابن مسیّب نے بھی اس طرح کیا ہے:

''رسولؐ خدا اور ابوبکر وعمر میں سے کسی نے کوئی قاضی مقرر نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت عمر کی حکومت کا درمیانی زمانہ آ گیا تو انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا:''

''اکفنی بعض الامور لان علیا کان اقضی الصحابة'' [۲۲]

''میرے بعض قضائی امور کی دیکھ بھال آپ کریں اس لئے کہ تمام صحابہ میں علیؑ ہی کی شخصیت سب سے بڑے قاضی کی تھی''

مذکورہ عبارت سے اس بات کی تائید وتصدیق ہوجاتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کے زمانے میں بھی تمام پیچیدہ مراحل میں باب مدینۂ علم ہی کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

''چنانچہ حضرت عمر کے زمانے میں دو عورتوں کا مقدمہ دربار

خلافت میں پیش ہوا اتفاق سے ان دونوں عورتوں کے یہاں ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے تھے اور دونوں عورتیں لڑکے کے لئے دعویدار تھیں ہر عورت کا یہی دعویٰ تھا کہ یہ لڑکا میرا ہے اسے میں نے پیدا کیا ہے لڑکی کو ان دونوں میں سے اپنانے والی کوئی نہیں تھی اور بظاہر کوئی ثبوت بھی ایسا نہیں تھا جس سے حقیقی صورت حال سامنے آجاتی، اس کا فیصلہ خلیفۂ وقت کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا کیا جائے، بالآخر حضرت علی علیہ السلام کی طرف رجوع کیا گیا حضرت علیؑ نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد دونوں کا دودھ الگ الگ شیشیوں میں لے کر وزن کرنے کا حکم دیا، دودھ کا وزن کرنے کے بعد جس کا دودھ وزنی تھا اس کو لڑکا اور جس کا دودھ ہلکا تھا اسے لڑکی دے دی گئی'' ۲۳

اس فیصلے کے سامنے آنے کے بعد تمام موجودہ لوگ حیران و ششدر ہو کر رہ گئے اس لئے کہ اس کا تصور بھی اس وقت کسی شخص کو نہیں ہوسکتا تھا کہ اس پیچیدہ مسئلے کو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ اس طرح حل کر دینا کہ وہ دونوں خاموش ہو کر اس فیصلے کو تسلیم کرلیں صرف مولائے کائنات ہی کا کام تھا اس وقت کے کسی شخص کے بس کی بات نہیں تھی۔

اسی زمانے میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ ایک عورت نے زنا کا اقبال کیا لہٰذا حضرت عمر نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دے

دیا، یہ فیصلہ حضرت علیؑ تک پہنچا حضرت علیؑ نے اس سلسلہ میں حضرت عمر سے فرمایا کہ اگر یہ عورت مجرم ہے تو اس بچہ کا کیا قصور کہ جو اس وقت اس کے پیٹ میں ہے، سنگساری کا حکم عورت کے لئے ہے نہ کہ اس بچہ کے لئے بھی جو اس کے پیٹ میں ہے اور جب عورت کو سنگسار کیا جائے گا تو یہ بچہ بھی خود بخود اس کے ساتھ مر جائے گا، حضرت علیؑ سے یہ استدلال سن کر حضرت عمر نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور کہا کہ:

''عجزت النساء ان یلدن مثل علی ابن ابی طالب لولا علی لهلک عمر'' [۲۴]

''علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسا فرزند پیدا کرنے سے تمام عورتیں قاصر ہیں، اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا''

اس کے علاوہ ایک واقعہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اسی زمانے میں ایک عورت کے یہاں شادی کے چھ ماہ بعد ایک بچہ پیدا ہوا تو شوہر کو اس پر بدکاری کا شبہ ہو گیا لہٰذا شوہر یہ مقدمہ حضرت عمر کے سامنے لایا، حضرت عمر نے پورا مقدمہ سننے کے بعد اس عورت کو سنگساری کا حکم دے دیا، مولائے کائنات نے حضرت عمر کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کا مشورہ دیا، حضرت عمر نے مولائے کائنات سے کہا کہ آپ ہی اس مقدمے کا فیصلہ فرما دیں۔

چنانچہ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ قرآن کے مطابق ہر شخص کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو پوری مدت دودھ پلوا سکتا ہے یعنی پورے دو برس تک دودھ پلایا جا سکتا ہے، حمل اور دودھ بڑھائی کے تیس مہینے ہوتے ہیں لہٰذا یہاں حمل کی مدت چھ ماہ ہوئے اور دودھ بڑھائی کے دو برس ہو گئے، یہ سن کر حضرت عمر نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور اس عورت کو بری کرتے ہوئے پھر کہا:

''لولا علی لھلک عمر'' ۲۵

حضرت عمر ہی کے زمانے کا ایک اہم واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ:

''ایک لڑکے کو مدینے میں یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ احکم الحاکمین، میرے اور میری ماں کے درمیان فیصلہ فرمادے، حضرت عمر نے یہ سن کر کہا کہ اپنی ماں کے خلاف یہ کیسی نازیبا باتیں کر رہا ہے، لڑکے نے جواب دیا کہ اس نے پورے نو ماہ مجھے اپنے پیٹ میں رکھا دو سال دودھ پلایا، اب جبکہ میں بڑا ہو گیا تو یہ میری فرزندی سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں تجھے پہچانتی بھی نہیں، لڑکے کا بیان سننے کے بعد حضرت عمر نے اس عورت سے دریافت کیا کہ یہ لڑکا کیا کہتا ہے کیا یہ بات درست ہے اس عورت نے خدا اور رسولؐ کی قسم کھا کر کہا کہ میں اسے جانتی بھی نہیں میں نے ابھی شادی بھی نہیں کی ہے میں تو کنواری ہوں یہ مجھے رسوا اور بدنام کرنا چاہتا

ہے، حضرت عمر نے عورت کا بیان سن کر اس لڑکے کو قید خانے میں
بند کرنے کا حکم دے دیا اور کہا ہم گواہوں سے معلوم کرنے کے بعد
فیصلہ کریں گے لوگ خلیفۂ وقت کے حکم کے مطابق قید خانے میں
بند کرنے کے لئے اس کو لئے جا رہے تھے کہ راستے ہی میں حضرت
علی علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی اس نے مولائے کائنات سے
فریاد کی اور اپنی مظلومیت کی پوری داستان سنائی، حضرت
امیر المومنین نے حضرت عمر کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کا مشورہ
دیا تو حضرت عمر نے حسب دستور کہا کہ آپ ہی اس کا فیصلہ کر دیں
لہٰذا حضرت علیؑ نے اس عورت سے معلوم کیا کہ تمہارے پاس گواہ
ہیں اس نے اپنے چالیس گواہ پیش کر دیئے ان تمام گواہوں کو سننے
کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا کہ وہ فیصلہ کروں گا جو مرضیٔ خدا کے
مطابق ہوگا، جس کی تعلیم مجھے جناب رسولؐ خدا نے مجھے دی
تھی۔اس کے بعد حضرت علیؑ نے اس عورت سے پوچھا کہ کیا
تمہارا کوئی ولی ہے؟ اس نے اپنے بھائیوں کو پیش کر دیا تو
امیر المومنینؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ جو کچھ میں فیصلہ کروں گا
اسے تم اور تمہاری بہن مان لے گی ان بھائیوں نے جواب دیا کہ
ہم بیشک مانیں گے،اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے خدا کو
اور تمام حاضرین کو گواہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے چار سو درہم

پر اس عورت کا نکاح اس لڑکے سے کر دیا اور یہ چار سو درہم مہر کی رقم میں خود ادا کرتا ہوں اور حضرت علیؑ نے لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا کہ اپنی دلہن کو اپنے ساتھ لے جا اور شادی کے تمام مقاصد کو پورا کر کے واپس آ، اس فیصلے کو سن کر وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئی اور آخر کار وہ چیخ چیخ کر کہنے لگی کہ اے رسولؐ کے بھائی! اس کا نتیجہ سوائے جہنم کے کچھ نہیں ہے اس لئے کہ آپ میرے اس لڑکے سے شادی کئے دیتے ہیں یہ تو میرا لڑکا ہے میرے بھائیوں نے ایک غیر کفو سے شادی کر دی تھی جس سے یہ لڑکا پیدا ہوا تو ان لوگوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں اس کی ماں ہونے کا انکار کر دوں بخدا یہ میرا بیٹا ہے، اس عظیم فیصلے کو سن کر حضرت عمر نے پھر اپنا مخصوص جملہ دہرایا کہ:

"واعمراہ لولا علی لھلک عمر" [۲۶]

یہی وہ عظیم فیصلہ ہے جس پر روکس ابن زائد مسیحی عراقی نے اس طرح تبصرہ کیا ہے:

"اللہ نے امام کو علم و ذکاوت کی جو دولت بخشی تھی وہ معجزہ کی حد تک پہنچ گئی تھی اگر امام کی ذکاوت کام نہ کرتی تو یہ لڑکا ظلم کا شکار ہو جاتا امام نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ عورت کے معاملے میں کوئی بھید ہے اگر اس کے دل میں ایمان اور نسائیت کا کوئی ذرہ ہو گا تو اپنے

سے شادی قبول نہ کرے گی آپ کے علم و ذکاوت نے اس پیچیدہ
مقدمے کی گرہیں کھول کر رکھ دیں“[۲۷]

حقیقتاً حضرت علی علیہ السلام اپنے ان تاریخ ساز فیصلوں کے علاوہ بھی مظلوم اور ناداروں کی مدد کرنا اور عدل وانصاف کے احترام کی تعلیم اپنے عمل کے ذریعے زندگی بھر دنیائے انسانیت کو دیتے رہنا اپنا اولین فریضہ سمجھتے تھے جس کے واضح ثبوت کے لئے ایک یہودی کا وہ مقدمہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے جو اس نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف حضرت عمر کے سامنے دائر کیا تھا اس مقدمے کے دائرے کے بعد حضرت عمر نے دونوں فریقوں کو طلب کیا جب دونوں فریق آگئے تو حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

”قم یا ابالحسن واجلس امام خصمک“

”اے ابوالحسنؑ! اٹھئے اور اپنے فریق کے سامنے بیٹھئے حضرت عمر کا بحیثیت حکم کسی مدعا علیہ کو اس طرح مخاطب کرنے کا انداز حضرت علی علیہ السلام کو ناگوار گزرا اور چہرے سے ناگواری کے آثار نمودار ہونے لگے“

جب حضرت عمر فیصلہ کر چکے تو حضرت علیؑ سے پوچھا کہ کیا آپ کو میرا یہ کہنا ناگوار گزرا کہ آپ اپنے فریق کے سامنے بیٹھئے؟ حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا کہ ناگواری کا سبب یہ نہ تھا کہ آپ نے مجھے میرے فریق کے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا اور مجھے میرے فریق کے برابر قرار دیا بلکہ سبب یہ تھا کہ مقام

عدالت کے تقاضوں کے مطابق آپ نے اس وقت مساوات کو نظر انداز کر دیا یعنی مجھے ابوالحسن کہہ کر آواز دی جبکہ کنیت سے کسی کو پکارنا اس کی تعظیم کی علامت ہے، جو منصب عدالت کے منافی ہے۔

بعض دوسری کتب میں اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے حسب ذیل عبارت کا بھی اضافہ ملتا ہے:

''فاخذ عمر براس علی فتقبل بین عینیه ثم قال بابی انت و امی بکم هدانا الله و بکم اخرجنا من الظلمات الی النور''۲۸

''حضرت عمر نے علیؑ کا سر پکڑا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ ہی حضرات کی بدولت اللہ نے ہم کو ہدایت کی اور تاریکی سے نکال کر ہمیں نور کی طرف لایا''۲۸

حضرت عمر کے بعد اسی طرح حضرت عثمان کے دور خلافت میں بھی مولائے کائنات نے عدل و انصاف کی لاج اور اس کی عزت و پاکیزگی برقرار رکھنے کے لئے کسی وقت عدالتی خدمات سے گریز نہیں کیا اور اپنے بے لوث اور بھرپور تعاون کے ذریعے اسلامی عدالت کے حقیقی تقدس و عظمت کو پوری طرح قائم رکھا ہے۔

''چنانچہ حضرت عثمان کے زمانے میں جب ایک بوڑھے شخص اور

ایک حاملہ عورت کا مقدمہ دربار خلافت میں پیش ہوا جس میں اس بوڑھے نے اس حاملہ عورت پر یہ الزام لگایا کہ یہ حمل اس کا نہیں ہے تو حضرت عثمان نے اس عورت سے دریافت کیا کہ اس بوڑھے نے تمہارا ازالۂ بکارت کیا تھا اس نے جواب دیا کہ نہیں اس لئے کہ وہ اس وقت بھی کنواری ہے لہٰذا حضرت عثمان نے عورت کے اس بیان کو سننے کے بعد فیصلہ صادر کردیا کہ اس عورت پر حد جاری کی جائے، مولائے کائنات کو جب اس مقدمے سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ عورت کے دو جوف ہوتے ہیں ایک حیض کا اور ایک پیشاب کا، غالباً یہ شخص مقام بول سے تعلق کرتا تھا اور مادۂ منویہ مقام حیض میں پہنچ گیا جس کے سبب یہ عورت حاملہ ہوگئی ہے اس بوڑھے نے اس خیال کی تصدیق کی، بوڑھے کے تصدیق کرنے کے بعد مولائے کائنات نے فیصلہ سنایا کہ یہ حمل اسی بوڑھے کا ہے اگر یہ انکار کرے تو اسے سزا دی جائے۔ [۲۹]

اس کے علاوہ ایک اور مقدمہ بھی اسی قسم کا دربار خلافت میں دائر کیا گیا تھا جسے طے کرنے کے لئے حضرت عثمان نے مولائے کائنات کی طرف رجوع کیا تھا۔ اس مقدمہ کی نوعیت اس طرح تھی کہ:

"ایک شخص نے دو شادیاں کی تھیں ایک انصاری عورت سے اور

دوسری ہاشمی عورت سے، ان میں سے اس نے انصاری بیوی کو طلاق دے دی اس کے کچھ عرصے بعد اس کا انتقال ہوگیا، اس شخص کے انتقال کے بعد اس انصاری عورت نے حضرت عثمان کی عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا کہ میں طلاق کے بعد عدہ میں تھی کہ میرے شوہر کا انتقال ہوگیا لہٰذا مجھے حق زوجیت ملنا چاہیئے، حضرت عثمان اس کا فیصلہ کرنے سے عاجز رہے اور مقدمہ کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیج دیا، حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عثمان کو ہدایت کی کہ اس عورت سے یہ حلف لیا جائے کہ طلاق کے بعد اسے تین حیض آئے کہ نہیں؟ اگر قسم کھائے تو ترکہ دے دیا جائے، حضرت عثمان نے ہاشمی خاتون سے کہا کہ تمہارے ابن عم کا یہ فیصلہ ہے، اس نے کہا کہ مجھے منظور ہے بشرطیکہ وہ قسم کھائے اگر قسم کھالیتی ہے تو ترکہ لے سکتی ہے لیکن اس خاتون انصاریہ نے قسم کھانے سے انکار کردیا اور میراث نہیں لی“ ؎۳۰

اس کے بعد مولائے کائنات کی خلافت ظاہری کا دور شروع ہوا تو مقدمات کا فیصلہ یا تو آپؑ خود فرماتے یا کبھی کبھی امام حسنؑ کی طرف منتقل کردیا کرتے تھے تاکہ دنیا کو یہ بات پوری طرح باور ہوجائے کہ جو قوت فیصلہ خداوند عالم نے مولائے کائناتؑ کو مرحمت فرمائی ہے وہی آپؑ کی اولاد کو بھی عطا کی گئی ہے۔

مولائے کائنات کی خلافت ظاہری کے زمانے کے بھی بعض مقدمات اپنی نوعیت کے اعتبار سے قابل ذکر ہیں چنانچہ:

ایک مرتبہ ایک شخص اپنے غلام کو ساتھ لے کر حج کے لئے گیا وہاں غلام سے کوئی غلطی ہوگئی، جس پر آقا نے غلام کو بہت زیادہ زدوکوب کیا جس کے نتیجے میں اس غلام نے کاوا کی اختیار کر لی اور اپنے آقا کی آقائی سے انکار کر کے خود اس کی آقائی کا دعویدار ہوگیا، لہٰذا جب دونوں کوفے پہنچے تو دونوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ان کی عدالت میں اپنا اپنا دعویٰ پیش کر دیا اور دونوں ہی نے اپنے دعوے میں سچے ہونے کی قسم کھاتے ہوئے ایک دوسرے کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ حضرت نے ان دونوں سے فرمایا کہ یہی بہتر ہے کہ تم دونوں آپس میں میل کر لو تا کہ یہ آپسی نزاع ختم ہو جائے ورنہ پھر کل میرے پاس آؤ میں تمہارے اس قضیئے کو ختم کر دوں گا، صبح کو امیر المومنینؑ نے قنبر سے فرمایا کہ دیوار میں دو اتنے بڑے سوراخ کرو کہ اس میں سر آجائے، قنبر نے حکم امام کے مطابق دیوار میں دو سوراخ کر دیئے۔

صبح ہوتے ہوتے اس لاینحل قضیے کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور چاروں طرف سے لوگ اس عظیم فیصلے کو سننے کے لئے وہاں سمٹ آئے، وہ دونوں مدعی بھی موقع پر آچکے تھے، حضرت علیؑ نے دونوں کا باقاعدہ پھر بیان لیا تو اس وقت بھی دونوں اپنے کو آقا اور دوسرے کو غلام بتانے پر مصر رہے اور پھر دونوں نے اپنے اپنے دعوے کی صداقت کی قسم کھائی، اس کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا

کہ جب تم دونوں اپنے اپنے دعوے سے کسی طرح پیچھے نہیں ہٹ
رہے تو پھر دونوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ دیوار کے سوراخوں میں اپنی اپنی
گردنیں ڈال دو، لہٰذا دونوں نے اپنی اپنی گردنیں سوراخوں میں ڈال
دیں جب دونوں اپنی گردنیں سوراخوں میں ڈال چکے تو امیر المومنین
نے قنبر کو حکم دیا کہ قنبر رسول اسلام کی تلوار لاؤ اور فوراً غلام کی گردن
اڑادو، یہ سنتے ہی غلام نے گھبراکر اپنا سر فوراً سوراخ سے باہر نکال لیا۔
امیر المومنینؑ نے اس سے معلوم کیا کہ تم کہتے تھے کہ میں اس کا غلام
نہیں ہوں تو پھر تم نے یہ کیا کیا کہ اپنی گردن سوراخ سے نکال لی میں
نے تو غلام کی گردن کاٹنے کا حکم دیا تھا آقا کی نہیں، یہ سن کر اس نے
اقرار کیا کہ میں واقعی اس کا غلام ہوں تاہم میری سرکشی کا سبب اس
وقت صرف یہ ہے کہ اس نے ناجائز طور پر مجھے مارا تھا جس کے رد
عمل میں میرے یہاں یہ باغیانہ جذبہ پیدا ہوا ورنہ میں یہ غلط دعویٰ
ہرگز نہ کرتا غلام کی پوری بات سن کر اور اس کے اقرار جرم پر پشیمان
ہونے کے بعد امیر المومنینؑ نے غلام کو آقا کے حوالے کر دیا۔ ۳۱

ایک مقدمہ امیر المومنینؑ کے سامنے اس نوعیت کا بھی لایا گیا جس میں
ایک شخص کو قتل کرنے کے بیک وقت دو آدمی دعویدار اور اقرار جرم کرنے والے
تھے، یہ مقدمہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے تاریخ عدالت میں ایک ایسا منفرد
مقدمہ تھا جو ہمیشہ صاحبان عدل و انصاف کو دعوت فکر دیتا رہے گا اور دنیائے

عدالت جس سے ہمیشہ رہنمائی حاصل کرتی رہے گی اس مقدمے کی صورت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ:

''جنگل کے ویرانے میں ایک شخص مقتول کی صورت میں پایا گیا جس کے پاس ایک آدمی کو جس کے ہاتھ میں خون آلود چھری تھی کھڑے ہوئے پایا گیا، لہٰذا لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اس آدمی نے اقبال جرم بھی کرلیا اسے امیر المومنینؑ کے سامنے لایا گیا کہ اس پر حد جاری ہونا چاہیئے اس لئے کہ اس نے اقرار جرم کیا ہے''

جب اصل قاتل نے سنا کہ جو قاتل نہیں ہے لوگ اس کو پکڑ کر امیر المومنینؑ کے پاس لے گئے ہیں اور اس شخص نے یہ اقرار بھی کر لیا ہے کہ وہی اس کا قاتل ہے تو وہ دوڑا ہوا امیر المومنینؑ کے دربار میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اسے چھوڑ دیا جائے یہ بے گناہ ہے یہ قاتل نہیں ہے بلکہ اس کا قاتل میں ہوں، چنانچہ اس کو بھی گرفتار کرلیا گیا، جب دونوں کو امیر المومنینؑ کے سامنے پیش کیا گیا تو دونوں نے اپنی اپنی روداد مکمل بیان کی، امیر المومنینؑ نے پہلے شخص سے معلوم کیا کہ جب تو قاتل نہیں تو پھر تو نے قتل کا اقرار کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ میں قصاب ہوں اس ویرانے کے قریب کہ جہاں یہ لاش پڑی تھی میں نے ایک بکری ذبح کی تھی مجھے پیشاب معلوم ہو رہا تھا میں یہ خون آلود چھری لئے ہوئے اس ویرانے میں آگیا تو یہ لاش پڑی دیکھی اسی دوران یہ لوگ جمع

ہو گئے اور مجھے اس حالت میں تنہا دیکھ کر پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے ہی ہمارے اس آدمی کو قتل کیا ہے میں نے اس زبردستی کے الزام کو سن کر دل میں سوچا کہ درپیش حالات میں انکار سے کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے کہ مقتول سامنے پڑا ہے میرے ہاتھ میں خون آلود چھری ہے جو ثبوت کے لئے کافی ہے جرم پوری طرح ثابت ہے میں کتنا ہی انکار کروں کون صحیح تسلیم کرنے والا ہے، لہٰذا میں نے مجبوراً اقرار جرم کر لیا ہے اس کے بعد امیر المومنینؑ نے دوسرے آدمی سے معلوم کیا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو اس نے کہا کہ یا حضرت میں نے ہی اسے قتل کیا ہے یہ شخص ہرگز مجرم نہیں میں مجرم ہوں۔

دونوں کے بیانات سن کر امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ اسے میرے بیٹے حسن کے پاس پہنچا دو لہٰذا ایسا ہی کیا گیا امام حسنؑ سے پوری روداد بیان کی گئی، امام حسنؑ نے اس حقیقی قاتل کے اقرار جرم کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس شخص نے اگرچہ ایک شخص کو قتل کیا ہے جس کا اس نے اقرار بھی کیا ہے لیکن اس نے اقرار جرم کے ذریعے ایک بے گناہ کی جان بھی بچائی ہے لہٰذا میں اسے بری کرتا ہوں اس لئے کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

"من قتل نفسا بغير نفس او فساد فكانّما قتل الناس جميعا"

''جس نے ایک انسان کو قتل کیا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اسی
نہج سے جس نے ایک انسان کو زندگی دی اس نے تمام انسانوں کو
زندہ کیا، لہٰذا ان دونوں میں سے کسی کو سزا نہ دی جائے اور مقتول
کے وارثوں کو اس کا خوں بہا بیت المال سے دیا جائے''۔ ۳۲

اس اہم فیصلے سے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولائے کائنات کا پورے مقدمے کو سن کر امام حسن علیہ السلام کی طرف اس کو منتقل کرنا اور ان سے فیصلہ کرانا مکمل طور پر اس کی دلیل ہے کہ مولائے کائنات حقیقتاً یہ بتا رہے تھے کہ منصب عدالت پر فائز ہونا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ اس منصب پر صرف وہی فائز ہوتا ہے جسے خداوند عالم عدل و انصاف کی صلاحیتیں عطا کرتا ہے اور یہ تمام تر صلاحیتیں خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو یا مجھے اور میرے ان معصوم جانشینوں کو عطا کی ہیں جو یکے بعد دیگرے درجۂ امامت پر فائز ہوتے رہیں گے جنکا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

ایک مرتبہ تین آدمی امیر المومنین کے سامنے لائے گئے جو ایک قتل میں موخوذ تھے جس میں سے ایک نے مقتول کو پکڑا تھا، دوسرے نے قتل کیا تھا اور تیسرا آدمی اس پورے منظر کو کھڑا دیکھتا رہا تھا لہٰذا امیر المومنینؑ نے تینوں کے بیانات اور شہادتیں لینے کے بعد اس طرح حکم فرمایا:

''اس شخص کے سلسلے میں جو کھڑا دیکھ رہا تھا حکم دیا کہ اس کی آنکھوں
میں سلائیاں پھیر دی جائیں، جس نے قتل کیا تھا اس کے متعلق حکم

دیا کہ اسے قتل کر ڈالا جائے اور جس نے مقتول کو پکڑ رکھا تھا اس کے متعلق حکم دیا کہ اسے مدت العمر کے لئے قید میں رکھا جائے کہ وہ قید ہی میں مرے"۔ ۳۳

روز مرّہ کی سماجی زندگی میں پیش آنے والے اس قسم کے عام مقدمات کے علاوہ مولائے کائنات نے فقہ کے پیچیدہ مسائل و مقدمات حل کر کے فقہی دنیا میں بھی اپنے کمال علم و منتہائے علم فقہ ہونے کا ثبوت دیا ہے چنانچہ علامہ بہائی علیہ الرحمہ نے امیر المومنینؑ کے ایک فقہی فیصلے کے سلسلے میں یہ واقعہ اپنی کشکول میں تحریر کیا ہے کہ:

"ایک اعرابی نے امیر المومنینؑ سے عرض کیا کہ ایک کتے نے بکری کے ساتھ جفتی کی اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا اس کے متعلق کیا حکم ہے کہ اس بچے کو ذبح کر کے کھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ وہ کھاتا کیا ہے اگر گوشت کھائے تو سمجھو کہ کتا ہے اور اگر گھاس کھائے تو سمجھو کہ بکری ہے، اعرابی نے کہا کہ وہ کبھی گوشت کھاتا ہے کبھی گھاس کھاتا ہے آپ نے فرمایا دیکھو پانی کس طرح پیتا ہے اگر پانی میں منہ ڈال کر پیئے جس طرح بکری پیتی ہے تو بکری ہے اور کتے کی طرح پیئے تو کتا ہے، اعرابی نے کہا دونوں طرح پیتا ہے، آپؑ نے فرمایا دیکھو وہ بکریوں کے گلے کے ساتھ کس طرح چلتا ہے اگر آگے آگے بیچ گلے میں ہو کر چلے تو بکری

ہے اور اگر گلے سے پیچھے پیچھے چلے تو کتا ہے، اعرابی نے کہا دونوں طرح چلتا ہے، آپؑ نے فرمایا دیکھو وہ بیٹھتا کیسے ہے کتے کی طرح یا بکری کی طرح؟ اس نے کہا دونوں طرح بیٹھتا ہے، امیر المومنینؑ نے فرمایا تب اسے ذبح کر کے دیکھو اس کا معدہ جگالی کرنے والے جانوروں جیسا ہے تو بکری ہے ورنہ کتا ہے، وہ اعرابی امیر المومنینؑ کے اس فیصلے پر مبہوت ہو کر رہ گیا"۔ [۴۴]

حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت تاریخ انسانیت کی ایک ایسی عدالت پناہ شخصیت ہے جس کی زندگی کا ہر لمحہ عدالت آشکار جس کی زبان سرچشمۂ عدالت، جس کا ہر عمل قالب عدالت میں ڈھلا ہوا، جس کا ہر قول میزان عدل میں تلا ہوا، جس کی ذہانت و ذکاوت، عقل و دانش اور فہم و فراست نے ایسے لاینحل مسئلے اور ایسے پیچیدہ عقدے حل کیے ہیں جنہیں تاریخ عدالت کبھی فراموش نہیں کرسکتی ہے چنانچہ ایک ایسا ہی پیچیدہ مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوا جس میں انہوں نے سرسری طور پر اس مقدمے کے مدعی و مدعا علیہم کے بیانات سن کر فیصلہ دیدیا اور ان مدعا علیہم کو بری کردیا جس کا علم حضرت علی علیہ السلام کو ہوا تو آپؑ نے قاضی شریح کو ان کے غلط فیصلہ کرنے پر سخت تنبیہ کی اور خود مولائے کائناتؑ نے اس پورے مقدمے کو باقاعدہ سماعت فرمایا اور مدعی کو اس کا حق دلا کر عدلیہ کی لاج قائم رکھی جس کا ذکر علامہ یعقوب کلینیؒ اور شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت بیان کرتے ہوئے کیا ہے:

''امیر المومنینؑ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے، آپؑ نے دیکھا کہ ایک نوجوان رو رہا ہے اور کچھ لوگ اسے خاموش کر رہے ہیں آپؑ نے نوجوان سے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے عرض کیا حضور شریح قاضی نے میرے مقدمے میں بڑا ہی مایوس کن فیصلہ کیا ہے، کچھ لوگ میرے باپ کے ساتھ ایک سفر میں گئے تھے اور سب تو واپس آ گئے لیکن میرا باپ واپس نہیں آیا، میں نے ان لوگوں سے اپنے باپ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا انتقال ہو گیا، میں نے دریافت کیا کہ ان کا مال و اسباب کیا ہوا تو ان لوگوں نے کہا کہ تمہارے باپ نے کچھ چھوڑا ہی نہیں، میں ان لوگوں کو لے کر شریح کے پاس گیا شریح نے سرسری طور پر فریقین کے بیان سنے اور ان لوگوں کو قسمیں لے کر چھوڑ دیا۔

امیر المومنینؑ آپ جانتے ہیں کہ چلتے وقت میرے باپ کے پاس کافی دولت تھی، امیر المومنینؑ نے فرمایا تم لوگ شریح کے پاس چلو، خود بھی شریح کے پاس پہنچے اور شریح سے دریافت کیا کہ تم نے ان لوگوں کے مقدمے میں کیا فیصلہ کیا ہے شریح نے کہا امیر المومنینؑ اس نوجوان نے ان لوگوں کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ لوگ اس کے باپ کے ساتھ سفر میں گئے تھے مگر یہ لوگ واپس آ گئے اور اس کا باپ نہیں آیا، میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ راستے میں اس کا انتقال ہو گیا، میں نے ان لوگوں سے اس کے مال و اسباب کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس نے کچھ

چھوڑا ہی نہیں، میں نے اس لڑکے سے پوچھا کہ تم اپنے دعوے پر کوئی ثبوت بھی رکھتے ہو اس نے انکار کیا، مجبوراً میں نے ان لوگوں کو قسم لے کر چھوڑ دیا۔

امیر المومنینؑ نے شریح سے فرمایا کہ ایسے مقدمے میں کیا اسی طرح فیصلہ کیا جاتا ہے، پھر آپؑ نے اپنے غلام قنبر کو حکم دیا کہ پولیس والوں کو بلاؤ ان کے آنے پر آپؑ نے مدعا علیہم میں سے ہر شخص پر ایک سپاہی متعین کیا اور تاکید کی کہ ان کے چہروں پر نظر رکھنا اور مدعا علیہم سے پوچھا بتاؤ کیا کہتے ہو، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ناواقف ہوں مجھے معلوم نہیں کہ تم لوگوں نے اس لڑکے کے باپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے پھر آپؑ نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ انہیں الگ الگ رکھو اور ان کے سروں کو ڈھانک دو سپاہیوں نے ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ کر کے مسجد کے ایک ایک پائے کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا اور ان کے سروں کو ان کے کپڑوں سے چھپا دیا، امیر المومنینؑ نے اپنے کاتب عبداللہ بن ابی رافع کو قلم دوات اور کاغذ لانے کا حکم دیا خود مسند قضا پر تشریف فرما ہوئے لوگ آپؑ کے اردگرد بیٹھ گئے آپؑ نے ان لوگوں سے فرمایا جو اس وقت مسجد میں موجود تھے کہ جب میں نعرۂ تکبیر بلند کروں تو تم لوگ بھی باآواز بلند تکبیر کہنا، پھر آپؑ نے مدعا علیہم میں سے ایک ایک کو طلب کیا اور سامنے بلا کر اس کا چہرہ کھول دیا، اس کے بعد عبداللہ ابن ابی رافع سے کہا اس شخص کے بیانات قلمبند کرو اور اس شخص سے سوالات کرنا شروع کیے۔

امیر المومنینؑ نے اس شخص سے مختلف سوالات بطور جرح کرنے کے بعد باآواز بلند تکبیر کہی آپؑ کے تکبیر کہنے پر تمام حاضرین نے باآواز بلند تکبیر کہی اس موثر عمل کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو باقی مدعا علیہم تھے وہ اپنے مقام پر گھبرا گئے اور انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ ضرور ہمارے ساتھی نے اقرار جرم کر لیا ہے امیر المومنینؑ نے پھر اس شخص کے چہرے پر کپڑا ڈلوا کر حکم دیا کہ اسے قید خانے لے جا کر بند کر دو اس کے بعد دوسرے کو بلوایا اور سامنے بٹھا کر اس کا چہرہ کھولا اور فرمایا کہ تم نے غلط سوچا تھا کہ مجھے تمہاری کارگزاریوں کی خبر نہیں۔

اس نے کہا حضور! میں اکیلا مجرم نہیں، میں شروع ہی سے اس کو قتل کرنے کا مخالف تھا پھر اس نے مکمل اقرار کر لیا کہ بیشک وہ شخص ہم لوگوں کے ہاتھ سے مارا گیا ہے، امیر المومنینؑ نے ایک ایک شخص کو باری باری بلا کر بیانات لئے ہر شخص نے اقرار جرم کیا اور مقتول کا مال و اسباب قبضے میں کر لینے کی گواہی دی، امیر المومنینؑ نے پہلے مدعا علیہ کو بھی قید خانے سے طلب کر کے دوبارہ پوچھا تو اس نے بھی اقرار جرم کر لیا، امیر المومنین نے ان لوگوں سے مقتول کا مال و اسباب واپس لیا اور ان سب سے مقتول کا خوں بہا لے کر نوجوان کے حوالے کیا۔ ۳۵؎

دنیائے عدالت میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا فقط یہی امتیاز نہیں ہے کہ وہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے قانون عدل وانصاف کے ماہر اور ملت اسلامیہ ہی میں یکتائے روزگار کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر عہد کے بین الاقوامی مصادر قانون کے ماہر اعظم تھے خواہ یہودیت ہو یا میسیحیت یا دیگر تمام مذاہب ومسالک ان تمام مذاہب ومسالک کی کتب پر اس طرح حاوی تھے جس طرح قرآن پر انہیں عبور حاصل تھا جیسا کہ خود مولائے کائنات کا ارشاد ہے کہ:

''لو وسدت لی الوسادة جلست علیها لقضیت بین اهل التوراة بتوراتهم و بین اهل الانجیل بانجیلهم و بین اهل الزبور بزبورهم و بین اهل الفرقان بفرقانهم''[۳۶]

''اگر میرے لئے مسند قضا بچھا دی جائے اور مختلف الخیال و مختلف مکتبہ ہائے فکر کے لوگ اپنے اپنے مقدمات کا فیصلہ مجھ سے کرانا چاہیں تو میں تورات والوں کے مقدمات کا فیصلہ از روئے تورات، انجیل والوں کے مقدمات کا فیصلہ انجیل کے مطابق، زبور والوں کا فیصلہ زبور سے اور فرقان کے ماننے والوں کا فیصلہ فرقان کے ذریعے کرسکتا ہوں''

اس میں شک نہیں کہ دنیائے انسانیت میں شعبۂ عدل و انصاف کی

اہمیت وضرورت کا احساس ہر زمانے میں کیا جاتا رہا ہے خواہ نیم مہذب اور وحشیانہ زندگی کا دور ہو یا مہذب وشائستہ زندگی کا اسی طرح ہر زمانے میں کچھ ایسے افراد بھی پیدا ہوتے رہے ہیں جو حسب مقدرت عدل وانصاف کے ذریعے دنیائے انسانیت کو قتل وغارتگری اور فتنہ وفساد سے محفوظ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، اس کے علاوہ تاریخ عدالت میں کچھ افراد ایسے بھی ضرور مل جائیں گے جنہوں نے حقداروں کا حق دلانے، مظلوم انسانیت کو ظلم واستبداد سے نجات دلا کر ظلم کا سرنگوں کرنے میں اس طرح کامیابیاں حاصل کی ہیں جن کا عمل تاریخ عدالت میں یاد کیا جاتا رہے گا، لیکن حقوق انسانی کا تحفظ اور بلا امتیاز ہر مظلوم کی حمایت و دادرسی جس طرح مولائے کائنات نے کی ہے اور جو نظم وضبط شعبۂ عدالت میں آپ نے اپنے دور خلافت میں قائم کیا ہے وہ نظم تاریخ کے کسی دور میں نظر نہیں آتا، حضرت علی علیہ السلام سے پہلے گواہوں کی گواہیاں بھی سنی جاتی تھیں اور مقدمے کی نوعیت کے مطابق گواہوں کا ایک خاص اثر بھی تسلیم کیا جاتا تھا لیکن تاریخ عدالت میں حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت ایک ایسی انفرادیت کی حامل ہے جس نے مقدمات کی نوعیت میں گواہوں کو اتنی عظمت بخشی کہ شہادتوں کو صرف سماعت تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ باقاعدہ انہیں قلمبند بھی کرنا شروع کیا تاکہ کسی لالچ اور طمع کے ذریعہ گواہوں کو خریدا نہ جاسکے اور گواہوں کے پائے ثبات میں کسی قسم کی کوئی لغزش پیدا نہ ہونے پائے اور عدل و انصاف مجروح ہونے سے محفوظ رہے، مولائے کائنات کا دنیائے عدالت اور انسانی سماج کے لئے یہ ایک ایسا عظیم عطیہ ہے جسے اقوام عالم اور تمام حکومتوں نے صرف قبول

ہی نہیں کیا بلکہ امام عالی مقام کے رائج کردہ اسلوب کو بعینہ اختیار کیا ہے"۔ ۳۶

حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں انسانیت کی بقا وتحفظ اور اس کے عروج وارتقا کے سلسلے میں عدالت کی کیا حیثیت رہی ہے اور انسانی سماج کو پر امن و پرسکون بنانے کے لئے ہی عدالتی اہمیت وضرورت کا مولائے کائنات کو کس قدر احساس رہا ہے اس کا اندازہ یوں تو ''نہج البلاغہ'' کے ان خطبات ومکتوبات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جس میں جابجا عدل وانصاف کی تاکید اور ظلم وزیادتی کے خلاف بوضاحت روشنی ڈالی گئی ہے۔

لیکن بطور خاص وہ ہدایت نامہ جو آپ نے اپنی طرف سے مامور کردہ مصر کے گورنر جناب مالک اشتر کے لئے تحریر کیا ہے اسے اسلام کا دستور اساسی کہا جا سکتا ہے، اس ہدایت نامے میں صرف اصول حکومت اور سلیقۂ حکمرانی ہی سے بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے اہم نکات پیش کئے گئے ہیں جو عموماً تاریخ انسانیت میں کہیں نہیں پائے جاتے ہیں۔

اسی ہدایت نامے میں مولائے کائنات نے جناب مالک اشتر کو بحیثیت ایک حکمراں اور بحیثیت سماج کی ایک عام فرد دونوں طرح کی زندگی میں قدم قدم پر اس نقطۂ اعتدال کو پیش نظر رکھنے کی ہدایت کی ہے جسے دنیائے حکمت میں عدالت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس نقطۂ اعتدال سے سرمو انحراف کرنا جسے ظلم کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اس کے بھی ان تمام مفاسد وعیوب کی مختلف پیرائیہ بیان کے ذریعے وضاحت کرتے ہوئے اس

شرمناک اور ذلت آمیز صفت سے خود کو محفوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

یہاں موضوع کی مناسبت اور اہمیت کے پیش نظر اس ہدایت نامے کے چند اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں تاکہ مولائے کائنات کی اس اعتدالی زندگی کا ہلکا سا اندازہ ضرور ہوجائے، جس زندگی کی ہر سانس محور اعتدال پر گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے، حقیقتاً مولائے کائنات خود بھی عمر بھر اس نقطۂ اعتدال پر قائم رہے اور زندگی بھر یہی خواہش رہی کہ پوری دنیائے انسانیت بھی اسی نقطۂ اعتدال پر زندگی گزارتی رہے جسے خداوند عالم نے فطرت انسانی کے مطابق کمال انسانیت کا سبب قرار دیا ہے، اسی لئے انہوں نے ہر شعبۂ حیات میں زندگی کے ہر معیار کو پیش نظر رکھ کر ہر فرد بشر کے لئے اس نقطۂ اعتدال کی وضاحت انتہائی بسط وشرح کے ساتھ کی ہے تاکہ ہر انسان اپنے معیار زندگی سے آشنا رہتے ہوئے اس نقطۂ اعتدال کا بھی صحیح تعارف کرسکے جو اس کی زندگی کے شایان شان ہوسکتا ہے چنانچہ جناب مالک اشتر کو بحیثیت ایک حاکم عدالت اس نقطۂ اعتدال پر قائم رہنے کی جو فطرت اسلام کے مطابق ہے اس طرح ہدایت کی گئی ہے:

"واشعِرُ قلبک الرّحمة للرعيّة و المحبة لهم واللطف بهم ولا تكونن عليهم سُبُعا ضاريا تغتنم اكلهم فانهم صنفان اِمّا اخٌ لک فی الدين و امّا نظير لک فی الخلق يفرُطُ منهم الزَّلَلُ و تعرضُ

لِهم العلل و یوتیٰ علیٰ ایدیھم فی العمد و الخطاء

فاعطھم من عفوک و صفحک مثل الذی تحب

ان یعطیک اللہ من عفوہ و صفحہ فانک فوقھم و

الی الامر علیک فوقک و اللہ فوق من ولّاک

وقد استکفاک امرھم و ابتلاک بھم و لا تنصبن

نفسک لحرب اللہ فانّہ لا یدی لک بنقمتہ و لا

غنیٰ بک من عفوہ و رحمة'' [۳۷]

''عوام کے لئے اپنے قلب میں رحم وکرم اور لطف ومحبت کے جذبات پیدا

کرو، اوران کے ساتھ پھاڑ کھانے والے درندوں کی صورت اختیار نہ کرو

کہ ان کے منھ سے ان کے نوالوں کو چھینو! (یہ فطرت درندوں ہی کی ہے

جو اپنی اولاد کو بھی نہیں پہچانتے اور ان کے سامنے سے بھی چھین کر لے

جاتے ہیں) عوام کے ساتھ محبت وشفقت سے پیش آنا اس لئے ضروری

ہے کہ ان میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں کچھ وہ لوگ ہیں جو تمہارے

دینی بھائی ہیں (جن کا از روئے مذہب تم پر حق ہے) اور کچھ لوگ وہ ہیں جو

از روئے خلقت تم جیسے ہی انسان ہیں (جو بحثیت انسانیت تم پر حق رکھتے

ہیں ان سے لغزشیں بھی ہوں گی، خطاؤں سے بھی انہیں سابقہ پڑیگا اور ان

کے ہاتھوں سے جان بوجھ کر یا بھولے سے غلطیاں بھی ہوں گی، لہذا تم ان

سے اسی طرح عفوو درگزر سے پیش آنا جس طرح تم اپنے لئے اللہ سے

عفو و درگزر کے خواستگار ہوتے ہو، اس لئے کہ تم ان لوگوں پر
حاکم ہو اور تمہارے اوپر امام حاکم ہے اور جس امام نے تمہیں
والی و حاکم بنایا ہے اس پر اللہ حاکم ہے، اسی احکم الحاکمین نے تم
سے اپنے ان بندوں کے معاملات کی انجام دہی چاہی ہے اور
ان لوگوں کے ساتھ تمہارے سلوک اور برتاؤ کے ذریعے تمہاری
آزمائش مقصود ہے اور دیکھو اپنے مقام و مرتبے کے سبب نخوت
میں مبتلا ہو کر خبردار اللہ سے مقابلہ نہ کرنا اس لئے کہ اس کے
غضب سے تم بے بس ہو اس کی رحمت اور عفو و درگزر سے تم کسی
وقت بے نیاز نہیں ہو سکتے ہو"

چونکہ مولائے کائنات عوام کی فلاح و بہبود کے ہمہ وقت خواہش مند
رہتے تھے اسی سبب ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نظر نہیں آتا جو عوامی زندگی کی
اصلاح اور اسے ہر قسم کی غلاظتوں سے پاک وصاف کرنے میں مصروف نہ رہا ہو
چنانچہ انہوں نے اپنے خطبات و مکتوبات کے ذریعے اپنے تمام مقرر کردہ عمال
حکومت اور تمام رعایا کو زندگی کی بلند اقدار سے آگاہ کرنے کی مسلسل کوشش کی
ہے اور عوامی زندگی کو معیاری بنانے کے لئے سماج میں عدل وانصاف کی اہمیت و
ضرورت کا احساس بیدار کرتے ہوئے کبھی پورے سماج کو عموماً اور ایک حاکم
عدالت کو خصوصاً اس طرح مخاطب کیا گیا ہے:

"انصف اللہ و انصف الناس من نفسک و من

خاصّة اھلک و مَن لک فیه ھویً من رعیّتک فانّک اِلّا تفعلُ تظلِمُ و من ظلم عباد اللّه کان اللّه خصمه دون عباده و من خاصمه اللّه ادحض حجته و کان للّه حربا حتی ینزع و یتوب و لیس شیٔ ادعیٰ الی تغییر نعمۃِ اللّه و تعجیل نِقمته من اقامۃٍ علی ظلمٍ فان اللّه یسمع دعوۃ المضطرین و ھو للظّالمین بالمرصاد'' ۳۸ے

''اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور عوام میں سے اپنے پسندیدہ افراد کے بارے میں حقوق اللہ اور حقوق الناس کو ملحوظ رکھتے ہوئے پوری طرح انصاف سے کام لو اس لئے کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ظالم ہو جاؤ گے اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو ان بندوں کی جگہ خود خدا اس کا دشمن ہو جاتا ہے تو اس کی ہر دلیل کو وہ کچل کر رکھ دیتا ہے اور اللہ اس سے ہر وقت اور ہر طرح برسرِ پیکار رہتا ہے یہاں تک کہ ظالم اپنے ظلم سے باز آجائے اور توبہ کر لے اور اللہ کی نعمتوں کو سلب کرنے والی اور اس کی مقررہ سزاؤں کو جلد دعوت دینے والی اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے کہ ظلم پر باقی رہا جائے یعنی ظلم کو صحیح مانتے ہوئے ظلم ہی کو اپنا شیوہ و شعار بنالیا جائے اس لئے کہ اللہ مظلوموں کی پکار اور ان کی فریاد کو

سنتا ہے اور ظالموں کے لئے موقع کا منتظر رہتا ہے۔‘‘

اس کے بعد مولائے کائنات نے مالک اشتر کو اپنے ان ماتحت عوامی حاکمان عدالت کہ جن کا دائرہ کار کسی ایک قریہ یا قبیلہ تک ہی محدود ہوتا ہے ان لوگوں کے انتخابات کرنے کے سلسلے میں بھی جو ہدایات فرمائی ہیں اس میں ان ماتحت حاکموں کے صفات وخصوصیات پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے جس سے عوامی اذہان بھی منصب عدالت کی عظمت واہمیت کا احساس کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں:

’’ثم اخترُ للحکم بین الناس افضل رعیّتک فی نفسک ممن لا تضیق به الامور ولا تمسکه الخصوم ولا یتمادیٰ فی الزلة ولا یخصر من الفیٔ الی الحق اذا عرفه ولا تشرف نفسه علی طمع ولا یکتفی بادنیٰ فَهمٍ دون اقصاه و اوقفهم فی الشبهات و آخذهم بالهجج و اقلّهم تبرّماً بمراجعة الخصم و اصبرهم علی تکشّف الامور و اصرمهم عند اتّضاح الحکم ممّن لا یزدهیه اِطراءٌ ولا یستمیله اِغراءٌ واولٰئک قلیل ثم اکثرُ تعاهدُ قضائِهِ و افسحُ له فی البذل ما یزیل علّته و تقِلّ معه حاجته الی الناس و اعطِهِ من المنزلة لدیک مالا یطمع فیه غیره من خاصّتک لیامن بذالک اغتیالَ الرّجالِ

لہ عندک فانظر فی ذالک نظر ابلیغاً فانّ ھذا الدّین قد کان اسیر افی ایدالاشرار یعمل فیہ بالھوی و تطلبُ بہ الدنیا'' ۳۹ے

''پھر یہ کہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمہارے نزدیک رعایا میں سب سے بہتر ہو جو واقعات اور مسائل کی پیچیدگیوں میں پڑنے کے سبب پریشان نہ ہو اور جھگڑا کرنے والوں کے رویّے سے غصے میں نہ آجاتا ہو نہ اپنے کسی غلط نقطۂ نظر پر اڑا رہتا ہو اور حق کو پہچان کر اپنانے میں طبیعت پر بار نہ محسوس کرتا ہو نہ اس کا نفس ذاتی طمع اور لالچ پر جھک پڑتا ہو اور کسی بھی معاملے میں بغیر چھان بین کئے ہوئے سرسری طور پر سمجھ لینے پر اکتفا نہ کرتا ہو، شک وشبہ کے موقع پر قدم روک لیتا ہو اور ہر معاملے میں دلیل و حجت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہو فیصلہ کرتے وقت فریقین کے بحث ومباحثہ سے اکتاتا نہ ہو، معاملات کی تحقیق میں انتہائی صبر وضبط سے کام لیتا ہو اور جب تحقیق کے بعد حقیقت آئینہ ہو جاتی ہو تو بے خوف و بے جھجک فیصلہ کر دیتا ہو وہ منتخب شخص ایسا ہونا چاہئیے جو سراہنے اور تعریف کرنے سے مغرور نہ ہونے والا ہو اگرچہ ایسے لوگ کم ہی ملتے ہیں پھر بھی اس سلسلے میں انتہائی غور و تامل سے نظر انتخاب پڑنا چاہئیے ایک یہ بات بھی پیش

نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ منتخب لوگ جو فیصلہ کریں ان کے فیصلوں کا
جائزہ لیتے رہنا ان لوگوں کو دل کھول کر اتنا دینا جوان کے ہر عذر کو کبھی
قابل سماعت نہ رہنے دے، اور ان لوگوں کو کسی کی احتیاج باقی نہ
رہے اپنے یہاں ان لوگوں کو ایسے باعزت مرتبے پر رکھو کہ انہیں وہ
لوگ جنہیں تمہارے دربار میں رسائی حاصل ہے یہ لوگ ان
اشخاص کو کوئی ضرر ونقصان پہنچانے کا تصور نہ کرسکیں تا کہ وہ
تمہاری توجہات اور التفات کا مرکز بننے کے سبب لوگوں کی ہر قسم کی
سازش سے محفوظ رہیں پھر مزید تاکید کی جاتی ہے کہ دیکھو اس
سلسلہ میں انتہائی بلیغ نظری سے کام لینے کی ضرورت ہے کیوں کہ
اس سے پیشتر یہ دین وآئین بدکرداروں کے پنجے میں اسیر رہ چکا
ہے۔جس میں خواہشات نفسانی کی کارفرمائی تھی اور اسے دنیا طلبی کا
ایک ذریعہ بنالیا گیا تھا''۔

منصب قضا ایک ایسا اہم اور عظیم منصب ہے۔جس کی ذمہ داریاں پوری کرنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں، اس منصب کی ذمہ داریاں دنیا کے عام مناصب کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہیں اس منصب پر فائز ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ابتدا ہی سے اپنی زندگی کو دنیا کی ہر قسم کی غلاظتوں اور آلودگیوں سے محفوظ رکھنے کا عادی ہو اس کا کردار بھی ہر طرح محتاط اور معتدل ہونا چاہیئے، تاکہ وہ سماج کے کسی قسم کے دباؤ کو محسوس نہ کرتے ہوئے اپنی منصبی ذمہ

داریوں کو کما حقہ پورا کر سکے یہ منصب عظیم عام لوگوں کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے اس منصب کو انتہائی چھان بین اور پوری طرح پرکھنے کے بعد کسی کے سپرد کرنا چاہئیے جس پر عموماً دنیا میں غور نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا مولائے کائنات علیہ السلام نے اس عظیم کوتاہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ایک خطبہ میں عام لوگوں کے اس منصب عظیم پر فائز ہو جانے کے خلاف پرزور انداز میں اپنے نظریہ کی ترجمانی کی ہے تاکہ عوامی ذہن اس منصب اہم کی سخت ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اس منصب کے اپنانے کی ہمت ہی نہ کر سکے اس خطبے میں حضرت علیؑ نے دنیا میں دو قسم کے لوگوں کو اللہ کے غیظ و غضب کا نشانہ قرار دیتے ہوئے تمام مخلوقات میں سب سے بدترین افراد میں شمار کیا ہے ایک وہ کہ جو بالواسطہ ظلم کا مرتکب ہوتا ہے یعنی جو عقائد کے سلسلہ میں گمرہی کا شکار ہوتا ہے اور خود گمراہ رہتے ہوئے عوام میں اپنے فاسد عقائد کی نشر و اشاعت کر کے دوسروں کو بھی گمرہی کا شکار کر دیتا ہے دوسرے وہ کہ جو قرآن و سنت کو پس پشت ڈال کر صرف اپنے قیاس اور ناقص عقل کے مطابق بے تامل اور بلا جھجک احکام نافذ کرتا ہے اور عوام، میں سے کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال اور ہم مسلک بنا کر باقاعدہ ایک جماعت تیار کر لیتا ہے اور ان لوگوں کے ذریعے اس خود ساختہ شریعت کی ترویج و تبلیغ کراتا ہے جو سراسر ظلم کے مترادف ہے چنانچہ یہی وہ تلخ حقائق ہیں جن سے عوام کو باخبر کر دینا ایک حقیقت پسند پیشرو اور قائد کا فریضہ ہے انہیں حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے لوگوں کے سلسلہ میں اس طرح اظہار خیال کیا گیا ہے:

''ان ابغض الخلائق الی اللّٰہ رجلان، رجلٌ و کلہ
اللّٰہ الی نفسہ فھو جائر عن قصد السبیل مشغوفٌ
بکلام بدعةٍ و دعاء ضلالةٍ فھو فتنةٌ لمن افتتن بہ
ضالٌ عن ھدی من کان قَبْلَہٗ مضل لمن اقتدیٰ بہ
فی حیاتہ و بعد وفاتہ حمّال خطایا غیرہٖ رھنً
بخطیئتہ و رجل تمش جھلا موضع فی جھّال الامة
عارٌ فی اغباش الفتنتہ عمّ بما فی عقد الھدَنة قد
سمّاہ اشباہ الناس عالما و لیس بہ بکرّ فاستکثر من
جمع ماقل منہ خیر مما کثر حتیٰ اذا ارُتویَ من
آجن واکتنز من غیر طائل جلس بین الناس قاضیا
ضامنا لتخلیص ما التبس علی غیرہ فان نزلت بہ
احدی المبھات ھَیّأً لھا حشوارثّا من رائیہ ثم قطع
بہ فھو من لّبَس الشبھات فی مثل نسج العنکبوت
لا یدری اصاب ام اَخُطَافَان اصاب خاف ان یکون
قد اخطا و ان اخطا رجا ان یکون قد اصاب جاھل
خبّاطُ جھالاتٍ عاشٍ رکّاب عشواتٍ لم یعضّ علی
العلم بضر س قاطع یذری الروایات اذر آء الریح
الھشیم لا ملیً واللّٰہ باصدار ما ورد علیہ ولا ھو

اهل لما فُوّض الیه لا یحسب العلم فی شئ مما انکره ولا یری انّ من وراءِ ما بلغ مذهبا لغیره و انُ اَظلمَ علیه امر اکتم به لما یعلم من جهل نفسه تصرخ من جور قضائه الدّماء و تعجّ منه المواریث الی اللّه اشکو من معشر یعیشون جهّالا و یموتون ضلّالا لیس فیهم سِلعةٌ اَبُوَر من الکتاب اذا تلی حق تلاوته ولا سلعةٌ انفق بیعا ولا اغلیٰ ثمناً من الکتاب اذا حرّف عن مواضعه ولا عندهم انکرُ من المعروف ولا اعرفُ من المنکر''[۴۰]

''تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک نشانہ غیظ وغضب دو شخص ہیں ایک وہ شخص کہ جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کردیا ہو یعنی اس کی بداعمالیوں کے سبب اپنی توفیق کو اس سے سلب کرلیا ہو جس کے بعد وہ سیدھی راہ سے منحرف بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور اور گمرہی کی تبلیغ پر ڈٹا ہوا ہو، یہ شخص اپنے ہواخواہوں کے لئے ایک فتنہ ہے اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے وہ تمام ان لوگوں کے لئے جو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی پیروی کریں گمراہ کرنے والا ہے اور دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اور اپنی خطاؤں میں جکڑا ہوا ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جس نے کچھ جہالت کی باتوں کو ادھر ادھر سے
اکٹھا اپنے پاس کرلیا ہے اور سماج کے جو جاہل ہیں جو بہر طور
اکثریت میں ہیں انہیں اندھوں میں کانا راجہ بن کر ان پر اپنی
دھونس بٹھاتا ہے اور مختلف قسم کے وہ فتنے جو اس کی جہالت کے
سبب برپا رہتے ہیں ان کی تاریکیوں میں مدہوش رہتا ہے اور امن و
آشتی کے فائدوں سے آنکھوں کو بند کئے رہتا ہے چند انسان
صورت جاہلوں نے اسے عالم کا لقب دے دیا ہے حالانکہ وہ عالم
نہیں ہے وہ ایسی بے فائدہ باتوں کو جمع کرنے کے لئے صبح
سویرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے یہاں تک
کہ جب وہ اس گندے پانی سے سیراب ہو جاتا ہے اور بالکل
لایعنی اور فضول باتوں کو جمع کرلیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ
جاتا ہے اور دوسروں کی نظر میں جو مشتبہ مسائل ہیں یعنی وہ مسائل
جو دوسرے خود حل نہ کرسکیں ان کے حل کرنے کی ذمہ داری لے لیتا
ہے چنانچہ اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اپنی من گھڑت
بھرتی کی فرسودہ قسم کی دلیلیں اس کے لئے ادھر ادھر سے جمع کرلیتا
ہے اور پھر ان دلیلوں پر خود بھی یقین کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنی
چرب زبانی سے یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے اگرچہ حقیقت یہ
ہے کہ وہ شبہات کے الجھڑے میں اس طرح پھنسا ہوا ہوتا ہے جیسے
مکڑی خود اپنے جال میں پھنسی ہوتی ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے

صحیح حکم دیا ہے یا غلط، اگر صحیح بات بھی کہی ہو تو بھی اسے یہ اندیشہ
ہوتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور اگر غلط جواب ہو تو اسے یہ توقع رہتی ہے
کہ شاید یہ صحیح ہو، وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل اور اپنی عقل کے
دھندلا پن کے ساتھ تاریکیوں میں بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے نہ
اس نے حقیقت علم کو پرکھا نہ اس کی تہہ تک پہنچا وہ روایات کو اس
طرح درہم و برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو منتشر
کر دیتی ہے خدا کی قسم وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل ہی نہیں
ہے جو اس سے معلوم کیے جاتے ہیں اور نہ اس منصب کے قابل
ہے جو اسے سپرد کر دیا گیا ہے، جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس چیز کو وہ
قابل اعتنا علم ہی قرار نہیں دیتا اور جہاں تک وہ پہونچ سکتا ہے اس
کے آگے وہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا بھی پہنچ سکتا ہے جو بات اس
کی سمجھ میں نہیں آتی اسے پی جاتا ہے کیوں کہ وہ اپنی جہالت کو خود
جانتا ہے ناحق بہائے ہوئے خون اس کے ناروا فیصلوں کی وجہ سے
چیخ رہے ہیں اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں اللہ
ہی سے شکوہ ہے ان لوگوں کا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمرہی میں
مرجاتے ہیں ان کی نظر میں قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہیں
جبکہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا کہ پیش کرنے کا حق ہے اور
اس قرآن سے زیادہ دنیا میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں اس وقت
جبکہ اس کی آیتوں کو بے محل استعمال کیا جائے ان کے نزدیک نیکی

سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی نہیں ہے"۔

حیات انسانی میں اقتصادیات و معاشیات کو ہمیشہ سے زبردست حیثیت حاصل رہی ہے حقیقتاً زندگی اور اقتصادیات دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی زندگی بغیر اقتصادیات کے ممکن نہیں اور اقتصادیات کا وجود بغیر زندگی کے ناممکن ہے اس لئے کہ زندگی اور سماج میں آئے دن جو مسائل رونما ہوتے اور نشونما پاکر پروان چڑھتے رہتے ہیں یہی مسائل آگے بڑھ کر ذہنی انتشارات کا باعث ہوتے ہیں اور انسانی اقدار کی پامالی کا سبب بن جاتے ہیں جن کا وجود صرف اقتصادیات ہی کے تاثر وتحریک کا نتیجہ ہوتا ہے۔

کسی بھی سماج اور معاشرے کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کی اقتصادیات درست نہ ہوں اور اقتصادیات کی بہتری عدل وانصاف پر منحصر ہے یعنی ہر معاشرے اور سماج کے تمام مالی امور میں توازن کا قیام شعبۂ عدالت سے متعلق ہے اور اس توازن کا برقرار رہنا ہی معاشرے کے ارتقا کا ضامن ہے اور اسی توازن کو اسلام میں اساسی نوعیت حاصل ہے۔

اسلام نے ہر قسم کی دولت اور سرمایہ کو خدا کی ملکیت قرار دیا ہے جو اس کے تمام بندوں کے لئے مساوی حیثیت رکھتی ہے مالیات کی دنیا میں توازن کا قیام اور اس کا برقرار رہنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک دولت کو تمام بندوں کے لئے مساوی نہ قرار دیا جائے اور تمام بندوں میں یکسانیت اور مساوات اس

سلسلے میں اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی ہے جب تک دولت کو خدا کی ملکیت تسلیم نہ کیا جائے دولت کو خدا کی ملکیت تسلیم کرتے ہوئے ہی اسے ہر قسم کی قید و بند سے آزاد کیا جا سکتا ہے اور دولت کے آزاد ہونے کے بعد ہی اس کا رشتہ عام انسانیت سے قائم ہو سکتا ہے دولت کی آزادی ہی میں عام انسانیت کی بقا مضر ہے اسی لئے اسلام نے دولت کی ملکیت کے سلسلہ میں کچھ مخصوص قوانین مرتب کئے ہیں جن کا اطلاق حکومت اور عوام دونوں پر مساوی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام میں دولت کو چونکہ تمام بندوں کے لئے مساوی حیثیت حاصل ہے لہٰذا اسلامی قوانین کے مطابق عوام میں سے ہر فرد کو اس کی افادیت سے فیضیاب ہونے کا حق دیا گیا ہے اور حکومت کی ذمہ داری اسے جمع کرنا اور اس کی حفاظت ہے تا کہ تمام افراد پر پوری ذمہ داری کے ساتھ اسے تقسیم کیا جا سکے اس اعتبار سے تمام اقتصادی مسائل میں خواہ وہ خزانہ حکومت سے متعلق ہوں یا عمومی اموال سے حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ ٹیکس وغیرہ کی وصولی کرے اور حکمرانی کی سیاسی ذمہ داریوں کے ساتھ مکمل طور پر اقتصادی ذمہ داریاں بھی پوری کرتی رہے، چنانچہ قرآن مجید میں بھی ان اقتصادی مسائل کی طرف اہم اشارے ملتے یں، مثلاً جناب یوسف کا واقعہ جس کا قرآن مجید میں کافی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ جب انہیں قید سے رہا کیا گیا اور حکومت کی طرف سے انہیں کوئی منصب دینے کی خواہش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ:

''اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیھم''[۱۴]

''مجھے زمین کے خزانوں یعنی زمین کی ہر قسم کی پیداوار ٹیکس اور معادن وغیرہ کی ذمہ داری سونپ دی جائے''

تا کہ میں امانت داری کے ساتھ ہر قسم کی آمدنی اور ہر قسم کے مصارف کے مطابق یہ فریضہ ادا کروں، اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دور خلافت میں حکمرانی کے طریقے، سماجی و معاشرتی مسائل کا بہترین حل اور اقتصادی انصاف کے سلسلے میں جناب مالک اشتر کو تاکید فرماتے ہوئے اسلامی نظام کے عام ذمہ داروں کو اس طرح مخاطب فرمایا ہے:

''و تفقد امر الخراج بما یُصلح اھلہ فانّ فی صلاحہ و صلاحھم صلاحالمن سواھم و لا صلاح لمن سواھم الّا بھم لآنّ النّاس کلّھم عیال علی الخراج و اھلہ و لیَکن نظرک فی عمارۃ الارض ابلغ من نظرک فی استجلاب الخراج لانّ ذالک لا یدرک الا بالعمارۃ و من طلب الخراج بغیر عمارۃ اخرب البلادَ و اھلک العبادَ و لم یستقم امرہ الا قلیلا فان شکوا ثقلا اوعلۃ او انقطاع شربٍ او بالّۃ اواحالۃَ ارض اغتمرھا غرقٌ او اجحف بھا عطشٌ خفّفتَ عنھم بماترجوا ان یصلح بہ امرھم و لا یثقلنّ علیک شیءٌ خففتَ بہ

المؤونة عنهم فانه ذخر يعودون به عليک فی
عمارة بلادک و تزئين ولا يتک مع استجلابک
حسن ثنائهم و تبجّحک باستفاضة العدل فيهم
متعمداً فضل قوّتهم بما ذخرت عندهم من
اجمامک لهم و الثقة منهم بما عوّدتهم من
عدلک عليهم فی رفقک بهم فربما حدث من
الامور ما اذا عوّلت فيه عليهم من بعد احتملوه
طيبة انفسهم به فانّ العمر ان محتمل ما حمّلته و
انّما يوتیٰ خرابُ الارض من اعو اذ اهلها و انما
يُعوِذ اهلها لاشراف انفس الولاة على الجمع و
سوء ظنّهم بالبقاء و قلّة انتفاعهم بالعبر'' ۴۲؎

''مال گزاری وصول کرتے وقت ادا کرنے والوں کے مفاد کو پیش
نظر رکھنا چاہیئے، اس لئے کہ عوام کی بھلائی اسی سے وابستہ ہے یہ
لوگ انہیں ٹیکسوں اور مال گزاریوں کے ذریعے زندگی بسر کرتے
ہیں، مال گزاری اور ٹیکس وصول کرنے سے زیادہ ملک کو آباد کرنے
کی فکر کرنا چاہیئے کیوں کہ ملک کی آباد کاری ہی سے خراج و ٹیکس
حاصل ہوتے ہیں اور جس نے آبادی و آباد کاری کے بغیر خراج
وصول کیا اس نے ملک کو تباہ کیا اور عوام کو ہلاک کر دیا، ایسے شخص کی

حکومت زیادہ دنوں تک چلنے والی نہیں ہوتی، پس اگر عوام مقررہ
ٹیکسوں کے بوجھ یا کسی ناگہانی آفت وخشک سالی، سیلاب یا زمین
کی خشکی کی شکایت کریں تو ان کے ٹیکسوں میں اتنی کمی کردو کہ ان
لوگوں کے حالات بہتر ہو جائیں اور یہ تخفیف وکمی خود تمہارے لئے
بوجھ نہ بنے کیوں کہ وہ اس ذریعے سے ایسا ذخیرہ فراہم کریں گے
جس کے ذریعے شہروں کو آباد کریں گے اور تمہارے لئے عزت و
آبرو بن جائیں گے مزید یہ کہ وہ تمہاری تعریف کریں گے اور تم
بھی خوش ہوں گے کہ عدالت ان پر سایہ فگن ہے اور اپنے اسی حسن
سلوک کی وجہ سے جس کا تم نے ان کے پاس ذخیرہ کر رکھا ہے ان
پر بھروسہ کر سکتے ہو اور تمہارے عدل وانصاف اور مہربانیوں کی بنا پر
جن کا تم نے انہیں خوگر بنایا ہے وہ بھی تم پر اعتماد کریں گے، اس کے
بعد ممکن ہے کہ ایسے بھی حالات پیش آجائیں کہ جن میں تمہیں ان
پر اعتماد کرنے کی ضرورت پڑے تو وہ ان حالات کو بخوشی جھیل
جائیں گے اس لئے کہ اگر ملک آباد ہے تو جتنا بوجھ اس پر لادو گے تو
وہ اٹھالے گا اور زمین کی تباہی تو اس سے آتی ہے کہ کاشتکاروں
کے ہاتھ تنگ ہو جائیں اور ان لوگوں کی تنگدستی کا سبب صرف یہ
ہوتا ہے کہ حکام مال ودولت جمع کرنے پر تل جاتے ہیں اور انہیں
اپنے اقتدار کے ختم ہونے کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور عبرتناک حالات
سے بہت کم فائدہ حاصل کرتے ہیں''

اس ہدایت نامے میں پوری طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کی گئی ہے جو اسلامی طرز حکومت کے ضابطہ و دستور کی اساس ہے مکاری اور فریب اسلامی سیاست نہیں یہ صرف ان زر پرست افراد کی سیاست ہے جنہوں نے حقیقی سیاست کو بدنام کیا ہے حکومت الٰہیہ کے نظم و نسق کے سلسلے میں جو دستور اور ضابطۂ حیات مولائے کائنات نے پیش کیا ہے وہی ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اللہ و رسولؐ کے دین کے عین مطابق ہے حقیقتاً حضرت علیؑ کی وصیت کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ضابطۂ اسلام کی ایک دفعہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہی دنیائے انسانیت ہر قسم کے ظلم و زیادتی اور حق تلفی سے نجات پا سکتی ہے اور اسی کے اپنانے میں دنیائے انسانیت کی فلاح اور سماج کا ارتقاء و عروج مضمر ہے۔

ہر زمانے میں عموماً اعلیٰ طبقے کے افراد پسماندہ افراد کے حقوق سلب کر کے سماج کے غریب و نادار لوگوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتے رہے ہیں اسلام چونکہ پوری دنیائے انسانیت کے لئے مساوات کا علمبردار بن کر آیا ہے اور اس نے ہر انسان پر پسماندہ عوام کی دستگیری و معاونت کو فرض قرار دیا ہے اسی لئے اس نے ہر دور میں انسانیت سوز مظالم کے خلاف آواز بلند کی ہے اور ہر زمانے میں اپنی تعلیمات کے ذریعے دنیائے انسانیت کو سماج کے اعلیٰ اور پسماندہ دونوں قسم کے افراد کو بحیثیت انسان مساوی قرار دینے کی تاکید کی ہے، اسلام میں حسب و نسب کی مروجہ برتری اور علاقائی قومیت کو بھی باعث شرف قرار نہیں دیا گیا بلکہ شرف و بزرگی کا معیار واضح الفاظ میں ''انّ اکرمکم عند

اللہ اتقاکم'' ۴۳؎ کے ذریعے تقوی و پرہیزگاری کو قرار دیا ہے جو بغیر صفت عدالت ناممکن ہے حضرت علی علیہ السلام کی ذات جسے اسلامی اصول و آئین کے سلسلے میں مرکزی حیثیت حاصل تھی جن کی زندگی اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ رہی ہے جنہوں نے ابتدا ہی سے سماج کے پسماندہ اور کمزور افراد کی دستگیری اور غربا پروری میں زندگی گزاری ہے ان کے لئے یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ اپنے مقرر کردہ گورنر کو اس اہم فریضے کی طرف متوجہ نہ کرتے چنانچہ مذکورہ ہدایت نامے میں بطور خاص معاشرے کے نچلے اور کمزور طبقے کی زبوں حالی و بیکسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی معاونت و دستگیری کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔

''ثمّ اللہ اللہ فی الطبقۃ السّفلیٰ من الذین لا حیلۃ لھم والمساکین والمحتاجین و اھل البوسیٰ والزمنی فانّ فی ھذہ الطبقۃ قانعا و معترا و احفظ للّٰہ ما استحفظک من حقہ فیھم واجعلُ لھم قسماً من بیت مالک و قسماً من غلّات صوافی الاسلام فی کل بلد فانّ للاقصیٰ منھم مثل الذی للادنی و کلّ قد استرعِیتَ حقّہ فلا یشغلنک عنھم بطرٌ فانک لا تعذر بتضییعک التّافہ لاحکامک الکثیر المھمّ فلا تشخصُ ھمّک عنھم و لاتصعر خدّک لھم و لاتفقدُ امور من لایصل الیک منھم

ممن تقتحمهُ العیون و تحقره الرجال ففرّغ لاولئک ثقتک من اهل الخشیة و التواضع فلیرفعُ الیک امورهم ثم اعمل فیهم بالاعذار الی اللّه یومُ تلقاه فانّ هولاء من بین الرّعیة احوجُ الی الانصاف من غیرهم و کلّ فاعذرُ الی اللّه فی تادیة حقه الیه و تعهّدُ اهل الُیتَمِ و ذوی الرّقة فی السّن ممّن لا حیلةَ له ولا ینصب للمسالة نفسَهُ و ذالک علیٰ الولاة ثقیل والحقّ کلّه ثقیل و قد یخفّفه اللّه علی اقوام طلبو العاقبة فصبروا انفسهم و وثقوا بصدق موعود اللّه لهم'' ۴۴؎

''خدارا خدارا معاشرے کے پسماندہ اور نچلے طبقے کا ضرور خیال رکھو یعنی سماج کے ان کمزور لوگوں کی دستگیری کرنا اپنا فرض سمجھو جو بیچارے فقیر و مسکین مشکلات میں گرفتار، غمزدہ اور عاجز ہیں اس طبقے میں قناعت پسند عزت دار اور محتاج لوگ ہیں، لہٰذا جو حق ان لوگوں کا خداوند عالم نے تم پر عائد کیا ہے اسے انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ ادا کرتے رہو، اور دیکھو ان لوگوں کے لئے ایک حصہ بیت المال سے ضرور معین کر دینا اور ایک حصہ ہر شہر کے اس غلے

میں سے دینا جو اسلامی غنیمت کی زمینوں سے حاصل ہوا ہو کیوں
کہ اس میں دور والوں کا اسی قدر حصہ ہے جتنا نزدیک والوں کا
ہے اور تم ان سب لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کے ذمہ دار بنائے
گئے ہو لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں دولت کی فراوانی اور سرمستی ان
سے غافل کردے اس لئے کہ کسی معمولی بات کو فقط اس خیال سے
نظرانداز کردیا جائے کہ تم نے بہت سے اہم کاموں کو چونکہ پورا
کردیا ہے اس لئے کسی غیراہم بات کو عموماً نظرانداز کرنے میں کوئی
مضائقہ نہیں سمجھا جاتا ہے لہٰذا اپنی توجہ ان سے کبھی نہ ہٹانا اور نہ تکبر
وغرور کے ساتھ ان کی طرف سے اپنا رخ پھیرنا اور دیکھو ایسے افراد
کی خصوصیت کے ساتھ خبر گیری رکھو جو تم تک نہیں پہنچ سکتے ہیں،
سماج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں عام طور پر آنکھیں دیکھنے
سے کراہت کرتی ہوں گی اور لوگ انہیں حقارت کے ساتھ
ٹھکراتے ہوں گے، تمہارا یہ فریضہ ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے
اپنے کسی ایسے معتبر آدمی کو جو خوف خدا بھی دل میں رکھتا ہو اور ہر
حیثیت سے متواضع بھی ہو اسے مقرر کردینا کہ وہ ان کے حالت
سے تمہیں باخبر کرتا رہے اس کے علاوہ ان کے ساتھ ایسا طرز عمل
اختیار کرنا جس سے قیامت کے روز اللہ کے سامنے حجت پیش کر
سکو اس لئے کہ رعایا میں دوسروں سے زیادہ یہ لوگ انصاف کے
محتاج ہیں، اگرچہ یوں تو سبھی تمہارے لئے ایسے ہیں جن کے

حقوق سے تمہیں عہدہ برہونا ہے اور اللہ کے سامنے سرخروئی حاصل کرنی ہے لیکن ان سب میں کمزور افراد بطور خاص توجہ کے مستحق ہیں اور دیکھو یتیموں اور ان کے ساتھ ان بوڑھوں کا بھی بطور خاص خیال رکھنا ضروری ہے جو بہت زیادہ معمر ہو چکے ہیں جن کا دنیا میں نہ کوئی سہارا ہے اور جو کسی سے نہ کوئی سوال کر سکتے ہیں اور یہی وہ کام ہے جو حکام پر گراں گزرتا ہے، البتہ جو لوگ عقبیٰ کے طلبگار رہتے ہیں اور اللہ نے ان سے جو وعدہ کیا ہے اس کی سچائی پر بھروسہ رکھتے ہیں ان کی توجہات اس اہم فریضے کی ادائیگی کی طرف ضرور رہتی ہیں''

مذکورہ ہدایت نامے میں سماج کے پسماندہ اور کمزور طبقے غریبوں اور نچلے درجے کے افراد کی دستگیری اور تعاون کا جہاں حکم دیا ہے اسی کے ساتھ اسلام کے فطری آئین کی اس طرح وضاحت بھی کی گئی ہے جو پوری دنیائے انسانیت کے لئے مختصر دستور حیات کی حیثیت رکھتا ہے:

''ولیکن احبّ الامور الیک اوسطھا فی الحق واعمّھا فی العدل و اجمعھا لرضیّ الرعیة فانّ سُخط العامة یجحف برضی الخاصّة و انّ سُخط الخاصّة یُغتفَر مع رضی العامّة'' ؎۴۵

’’تمہارے لئے زندگی کے تمام طریقوں میں سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ طریقہ وہ ہونا چاہئیے جو حق کے اعتبار سے بہترین اور عدل وانصاف کے لحاظ سے سب کے لئے یکساں اور عوام میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی مرضی کے مطابق ہو کیوں کہ عوام کی ناراز گی خواص کی رضامندی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور خواص کی ناراضگی عوام کی رضامندی ہوتے ہوئے نظرانداز کی جاسکتی ہے‘‘۔

اس کے علاوہ مکے میں اپنے مقرر کردہ گورنر قُسم ابن عباس کو ان کے فرائض منصبی سے جو بحیثیت ایک گورنر حاکم کے ان پر عائد ہوتے ہیں ایک خط کے ذریعے اس طرح آگاہ کیا گیا ہے:

’’وانظرُ الیٰ ما اجتمع عندک من مال اللّٰہ فاصرفه الی من قبلک من ذوی العیال و المَجَاعة مصیباًبه مواضع الفاقة وَالخلّات وما فَضَلَ عن ذالک فاحمله الینا لنقسمه فی من قَبلَنا و اُمرُ اهلَ مکّة انْ لا یاخذوا من ساکنٍ اجراً فانّ اللّٰه سبحانه یقول سواءً العاکفُ فیه والباد فالعاکفُ المُقیم به والبادی الّذی یحجُّ الیه من غیر اهله و وفّقنا اللّٰه و ایاکم لمحابّه والسلام‘‘ ۴۶؎

''مال خدا میں سے جو کچھ تمہارے پاس جمع ہو چکا ہے اسے پوری نگرانی کے ساتھ اپنے یہاں کے محتاجوں اور بھوکوں پر تقسیم کر دو اور فقر و احتیاج کے مواقع کو اولیت دو یعنی جو زیادہ ضرورت مند ہیں ان کی ضرورت کو پہلے پورا کرو اس سے جو بچ جائے وہ میرے پاس بھیج دو تا کہ میں اسے اپنے اطراف کے مستحقین پر تقسیم کر دوں اور مکے والوں کو حکم دو کہ وہ باہر سے آ کر ٹھہرنے والوں سے کرایا نہ لیں کیوں کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ اس میں عاکف اور بادی یکساں ہیں، عاکف وہ ہے جو اس میں مقیم ہو یعنی جو مکے میں رہتا ہو اور بادی وہ ہے جو مکے سے باہر کا رہنے والا ہو اور مکے میں حج کے لئے آیا ہو، خداوند عالم ہمیں اور تمہیں پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔

مولائے کائنات نے گورنروں اور حکمرانوں کو صرف ان کے فرائض منصبی ہی سے آگاہ کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عام حکمرانوں کی مزاجی کیفیات یعنی جذبۂ حاکمیت، قصیدہ خوانی اور خوش آمد پسندی وغیرہ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ان کی اصلاح کی تاکید فرمائی ہے اس لئے کہ حکمرانوں کی بدنیتی ہی سماج کے کمزور اور پسماندہ طبقے کے استحصال کا ذریعہ بنتی ہے چنانچہ جناب مالک اشتر کو جو عہد نامہ تحریر فرمایا گیا ہے اس میں انہیں حقائق پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

''ثم انّ للوالی خاصة و بطانة فیهم استئشارٌ و تطاولٌ و قلة انصاف فی معاملة فاحسم مادة اولٰئک بقَطع اسباب تلک الاحوال و لا تقطعن لاحد من حاشیتک وحامّتک قطیعةً ولا یطمعنّ منک فی اعتقادعقدة تضر بمن یلیها من الناس فی شربٍ اوعمل مشترکٍ یحملون مَؤونَتَه علی غیرهم فیکون مَھُناُ ذالک لھم دونک و عیبه علیک فی الدنیا الآخرة'' ۴۷؎

''معلوم ہونا چاہیئے کہ حکام کے لئے کچھ خواص اور منہ چڑھے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو انتہائی خودغرض دست دراز اور بد معاملہ ہوتے ہیں یعنی اس قسم کے لوگ صرف اپنی غرض کی خاطر حکام کی خوشامد اور چاپلوسی کرکے اپنے جائز و ناجائز ہر قسم کے مقاصد حاصل کرنے میں حکمرانوں سے عدل و انصاف کا خون کرادیتے ہیں، لہٰذا تمہارے لئے ضروری ہے کہ ایسے حالات کے پیدا کرنے والے تمام اسباب کو ختم کرکے اس گندے مواد کو خود سے دور رکھو اور دیکھو اپنے کسی

مصاحب اور حاشیہ نشین یا قرابت دار کو کبھی کوئی جاگیر نہ عطا کرنا اور نہ تم انہیں ایسے مواقع فراہم کرنا کہ یہ لوگ تم سے مختلف توقعات اور امیدیں وابستہ کرنے لگیں اس لئے کہ تم اگر ان کی کوئی ایسی مشکل حل کردو گے جس سے ہمسایہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خرچ کا بار دوسروں پر ہوگا اور وہ لوگ اس کا پورا فائدہ اٹھائیں گے اور اس کا بدنما دھبہ دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے دامن پر ہوگا''

اس کے علاوہ سماج میں عدل و انصاف کو پوری طرح نافذ کرنے کے سلسلے میں اپنے ان گورنروں کو جو مولائے کائنات کی نظر میں مشتبہ حیثیت رکھتے تھے انہیں اپنے مکتوبات کے ذریعے بیت المال میں خرد برد کرنے کے بارے میں اور عوام کے درمیان تقسیم میں ناانصافی اور مصارف میں فضول خرچی کے سلسلے میں صرف تنبیہ ہی نہیں کی گئی ہے بلکہ ان کی اس کوتاہی و لاپرواہی کی بنا پر ان سے جواب بھی طلب کیا گیا ہے اور ان کی کارگزاریوں کی صرف مذمت ہی نہیں کی گئی ہے بلکہ عوام کے حقوق جو ان کی لاپرواہیوں کے سبب تلف ہوئے تھے بطور جرمانہ انہیں بیت المال میں واپس کرنے کی تاکید کی گئی ہے مثلاً ایک خط میں اپنے عامل کو تحریر فرماتے ہیں:

''اما بعد فقد بلغنی عنک امرٌ ان کنت فعلتہ فقد اَسْخَطْتَ ربک و عصیت امامک و اخزیت امانتک بلغنی انّک جرّدت الارض فاخذت ماتحتَ قدمیک و اکلْتَ ماتحت یدیک فارفعُ الیّ حسابک واعلم انّ حساب اللّٰہ اعظمُ من حساب الناس والسلام'' [۴۸]

''تمہارے سلسلے میں مجھے ایک ایسی خبر ملی ہے کہ اگر حقیقتاً ایسا کیا ہوگا تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض اپنے امام کی نافرمانی اور اپنی امانتداری کو ذلیل ورسوا کیا ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے ایک زمین پر ہاتھ صاف کیا ہے اور جو کچھ تمہارے پاؤں کے نیچے تھا اسے اچک لیا اور جو تمہارے ہاتھوں کے نیچے تھا اسے چٹ کر گئے ہو پس تم اپنا حساب میرے پاس بھیجو اور یہ جان لو کہ انسانوں کے حساب سے اللہ کا حساب کہیں زیادہ سخت ہے۔ والسلام''

ایک مقام پر اپنے ایک گورنر کو یتیموں اور غریبوں وغیرہ کے مال کو خرد برد کرنے اور اس میں اصراف وفضول خرچی سے کام لینے اور زبردستی ہتھیا لینے کے سلسلے میں ایک خط کے ذریعے ان الفاظ میں زجروتوبیخ کی گئی ہے:

''فاتق اللّٰہ و اردد الی ھؤلاء القوم اموالھم فانّک ان لم تفعل ثم امکنَنِی اللّٰہَ منک لاعُذِرنّ الی اللّٰہ فیک ولا ضربنّک بسیفی الّذی ماضربت بہ احدا الّا دخل النار واللّٰہ لو انّ الحسن والحسین فعلا مثل ما فعلت ما کانت لھما عندی ھوادۃٌ ولا ظَفِرَا منی بارادۃٍ حتی آخذ الحقّ منھما'' [۴۹]

''اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں کا مال ان کے مالکوں کو پلٹا دو جو اس کے حقیقی مالک ہیں اگر تم نے اس حکم پر عمل نہیں کیا اور خدا نے تم پر مجھے قابو دے دیا تو میں خداوند عالم کی بارگاہ میں اعمال کا عذر طلب کرتے ہوئے اپنی تلوار تمہارے خون سے رنگین کردوں گا اور جو بھی اس کی زد پر آئے گا وہ سیدھا دوزخ میں جائے گا خدا کی قسم اگر میرے بیٹے حسن اور حسین بھی وہ کام کرتے جو کچھ تم نے کیا ہے تو میں ان کے حق میں بھی کوئی رعایت نہ کرتا اور بلاشبہ دوسروں کا حق ان سے واپس لے کر ہی چھوڑتا''

مصقلہ ابن ہیرہ شیبانی جو اردشیر خرہ میں گورنر تھے ان کے سلسلے میں امیر المومنین علیہ اسلام کو یہ خبر ملی کہ وہ مسلمانوں کے اموال کے سلسلے میں لاپرواہی سے کام لے رہے ہیں تو مولائے کائنات نے انہیں اس مضمون کا خط لکھ کر اپنے غضبناک جذبات کا اظہار فرمایا:

''بلّغنی عنک امر ان کنت فعلته فقد استخطتَ الٰهک واغضَبتَ امامَک انّک تقسم فیئَ المسلمین الّذی حازته رماحُهم و خیولُهم و اریقت علیه دمائهم فیمن اعنامَک من اعراب قومک فوالّذی فلق الحبة و براالنّسَمةَ لئن کان ذالک حقا لتجدن بک علیّ هوانا ولتَخِفَّنَّ عندی میزانا فلا تستهنُ بحَق ربک ولا تصلح دنیاک بحق دینک فتکون من الاخسرین اعمالا الاوانّ حق من قلبک وقلبنا من المسلمین فی قسمة هٰذا الفیٔ سواءٌ یردون عندی علیه و یصدرون عنه'' ۵۰

''تمہارے سلسلے میں مجھ تک ایک خبر پہنچی ہے اگر تم نے ایسا کیا ہوگا تو اپنے خدا کو ناراض اور اپنے امام کی نافرمانی کی ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے اموال کو جسے ان کے نیزوں اور گھوڑوں نے جمع کیا تھا اور جس کے لئے انہوں نے اپنا خون بہایا تھا یعنی جو جنگ کے ذریعے حاصل ہوا تھا اسے تم نے اپنی قوم کے ان بدوؤں پر تقسیم کر دیا جو تمہارے ہوا خواہ ہیں اس کے ذات کی

قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور جس نے تمام جانداروں کو پیدا کیا، اگر یہ خبر سچ ہے تو تم اپنے آپ کو میری نظر میں ذلیل ورسوا اور سبک پاؤ گے پس الٰہی حقوق کو حقیر مت سمجھو اپنے دین کو برباد کر کے اپنی دنیا مت سنوارو ورنہ سخت نقصان اور خسارے میں رہو گے آگاہ ہو کہ وہ مسلمان جو میرے اور تمہارے پاس ہیں اس مال کی تقسیم میں برابر کے حصہ دار ہیں، اسی لئے وہ لوگ اس مال کو لینے کے لئے میرے پاس آتے ہیں اور لے کر چلے جاتے ہیں''

اشعث ابن قیس جو آذربائیجان میں آپ کی طرف سے گورنر تھے انہیں اس عہدۂ عظیم کی نزاکت کا احساس دلانے کے لئے اور جس عظیم منصب پر وہ فائز تھے اس کی اہمیت جتانے کے لئے اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''و انّ عملک لیس لک بطُعمة ولکنه فی عنقک امانة و انت مسترُعًی لمن فوقک لیس لک ان تفتاتَ فی رعیّة ولا تُخاطرَ الّا بوثیقة و فی یدیک مال من مال اللّٰه عز و جل و انت من خُزّانه حتی تسلّمه الیّ و لعلّی ان لّا اکون شرَّ ولاتک لک والسلام'' [۵۱]

''تمہارا عہدہ کوئی لقمۂ تر نہیں بلکہ تمہاری گردن پر ایک امانت ہے اور تم اپنے حاکم بالا کی طرف سے اس کی حفاظت پر مامور ہو یہ تمہارے لئے زیبا نہیں ہے کہ رعایا کے ساتھ من مانی کرو یا کسی محکم دلیل کے بغیر کسی

اہم کام میں ہاتھ ڈالو، تمہارے ہاتھ میں خدائے بزرگ و برتر کے مال میں سے کچھ مال ہے اور تم اس کے خزانچی اور نگہبان ہو یہاں تک کہ تم اسے مجھ تک پہنچا دو، شاید میں تمہارے لئے برا حاکم نہ قرار پاؤں"

نہج البلاغہ میں مکتوبات کے علاوہ بیشتر خطبات میں بھی جگہ جگہ ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے عام زندگی میں صفت عدالت کی اہمیت و ضرورت پر خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی ہے اور اسی کے ساتھ بالواسطہ انداز گفتگو اپناتے ہوئے ظلم کے عیوب و مفاسد بھی بیان کئے گئے ہیں جن کے ذریعے معاشرے میں ظلم و زیادتی کی وہ تباہکاریاں بھی پوری طرح سامنے آجاتی ہیں جو انسانی معاشرے کے لئے بدنما داغ کی حیثیت رکھتی ہیں، چنانچہ مولائے کائنات نے ایک خطبہ میں سماج کو ظلم کے مفاسد اور اس کے تباہ کن اثرات سے باخبر رہنے کے لئے انتہائی پرزور انداز میں مظلوم کی حمایت و دستگیری کی قسم کھا کر ظالم اور ظلم کے خلاف سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے ان الفاظ میں اپنے جذبات کی ترجمانی کی ہے:

"وایّم اللّٰہ لا نصفن المظلوم من ظالمه و لا قودنّ الظالم بخزامة حتیٰ اورده منهل الحق و ان کان کادھا" ۵۲

"خدا کی قسم میں مظلوم کا بدلہ اس کے ظالم سے ضرور لوں گا اور ظالم کی ناک مین نکیل ڈال کر اسے سرچشمۂ حق تک لے جاؤں گا خواہ اسے میرا یہ عمل ناگوار ہی کیوں نہ گزرے"

اسی سلسلۂ کلام کے ماتحت بالواسطہ عدالت کی اہمیت کو باور کرانے کے

لئے باب الحکم میں ایک مقام پر ظلم کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے نتائج بد سے اس طرح آگاہ کیا گیا ہے:

''بئس الزاد الی المعاد العدو ان علی العباد''[۵۳]

''آخرت کا بدترین توشہ اللہ کے بندوں پر ظلم وستم ڈھانا ہے''

اس کے علاوہ ایک مقام پر ظلم کے بدترین نتیجے سے اس طرح باخبر کیا گیا ہے:

''و انّ البغی و الزّورَ یذیعان المرء فی دینه و دنیاه و یبدیان خلله عندمن یعیبه''[۵۴]

''سرکشی اور مکروظلم آدمی کو دین و دنیا دونوں میں تباہی و ہلاکت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں اور اس کی کمزوریوں کو عیب تلاش کرنے والے کی نگاہوں میں ظاہر کردیتے ہیں۔

مولائے کائنات نے ایک مقام پر ظالم کی علامتیں بیان کر کے قیامت تک کے انسانی معاشرے کو ظالم کے ظلم سے محفوظ رہنے کی تلقین اس طرح فرمائی ہے:

''للظالم من الرجال ثلاث علامات یظلم من فوقه بالمعصیة و من دونه بالغلبه و یظاهر القوم الظّلمة''[۵۵]

''ظالم تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ ظالم ہوتا ہے جو اپنے سے بلند شخصیت کی نافرمانی کرے۔

دوسرے وہ بھی ظالم ہے جو اپنے پست لوگوں پر ظلم ڈھا کر ان پر اپنا تسلط قائم کرے۔

تیسرے وہ بھی ظالم ہے جو ظالموں کی پشت پناہی و مدد کر کے ان کی ہمت افزائی کرے۔

دنیا میں ہر صاحب اقتدار عموماً اپنی طاقت کے ذریعے غریبوں اور بیکسوں پر ظلم ڈھا کر مظلوموں پر حکومت کرتا رہا ہے اور ان کے حقوق کو سلب کر کے دولت کو اپنے عیش و آرام پر صرف کرنے کا عادی رہا ہے بظاہر ایسے ظالموں کی زندگی وقتی طور پر انتہائی پرکشش ہو سکتی ہے لیکن مولائے کائنات نے دنیا کے مظلوموں کو ظلم کرنے والوں کی عاقبت اور ان کے نتیجے سے آگاہ کر کے ان مظلوموں کی قوت صبر و شکر میں اس طرح اضافہ کیا ہے:

''یوم العدل علی الظالم اشدّ من یوم الجور علی المظلوم'' [۵۶]

''ظالم کے لئے انصاف کا دن اس سے زیادہ سخت ہوگا جتنا مظلوم کے لئے اس پر ظلم و جور کا دن سخت ہوتا ہے''

اسی ذیل میں عدالت پناہ حکمرانوں کو عدالت کی نزاکت اور اس کے احتیاطی پہلو سے اس طرح متنبہ کیا گیا ہے:

''لیس من العدل القضاء علی الثّقته بالظن'' [۵۷]

''یہ انصاف نہیں ہے کہ صرف ظن و گمان پر اعتماد اور بھروسہ کر کے کوئی فیصلہ صادر کر دیا جائے بلکہ پورا پورا یقین شامل فیصلہ ہونا چاہیئے''۔